عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

طلوعِ اسلام

ایک اسلامی مجلہ

جون ۱۹۳۹

ایک روپیہ

معراجِ انسانیت

جنابِ پرویز کی عدیم النظیر تصنیف 'معارف القرآن' کی چوتھی جلد، تذکارِ جلیلہ حضورِ سرورِ کائنات پر مشتمل ہے۔ قرآنِ کریم سے سیرتِ رسولؐ، ایک عجیب و غریب کوشش ہے جس کی سعادت، مبدا فیض نے جنابِ پرویز کے حصہ میں لکھی تھی۔ قرآن کے آئینے میں حضورِ ختمی مرتبتؐ کا پیکرِ نورانی، معراجِ انسانیت کی شہود تفسیر ہے۔ اس پیکرِ مقدس میں آپ کو وہ رسولؐ دکھائی دیں گے جن کی سیرت خالص قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور جن کے نقوشِ قدم آج بھی راہ گم کردہ کاروانِ انسانیت کو جگمگاتے ستاروں کی طرح نشانِ منزل دکھا رہے ہیں۔

یہ ہے معارف القرآن کی جلد چہارم جس کا مسودہ محض تائیدِ ایزدی سے تقسیمِ ہند کے حشر انگیز حوادث میں محفوظ رہا اور جو اب بغرضِ طباعت، پریس میں بھیجدی گئی ہے۔ کتاب بڑے سائز کے قریب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور نہایت اعلیٰ درجہ کے ولایتی گلیزڈ پیپر پر چھپ رہی ہے۔ اگر آپ ایک اطلاعی کارڈ بھیجدیں تو آپ کو اطمینان ہو جائے گا کہ آپ کے لئے کتاب کا نسخہ محفوظ کر لیا جائے گا۔ قیمت کے متعلق بعد میں اطلاع دی جائے گی۔

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام۔ رابسن روڈ۔ کراچی

اسلامی حیات اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوعِ اسلام

مرتب: محمد یونس

بدلِ اشتراک: سالانہ — دس روپے
ششماہی — چھ روپے
قیمت فی پرچہ — ایک روپیہ

جلد ۲ | کراچی — جون سنہ ۱۹۴۹ء | نمبر ۶

فہرست

راموش	۲
تھیٹر کے جوکر	۳
مادر پدر آزادی	۴
مجبوریاں	۵
لمعات	۶
نقد و نظر	۱۵
سلطنتِ یہود اور قرآن (محترم عرشی صاحب)	۱۷
اسبابِ زوالِ امت (علامہ جمال الدین افغانی)	۳۶
باب المراسلات	۵۱ - ۶۱
۱- یتیم پوتے کا حصہ	
۲- اسلامی حکومت کا انتظام	
۳- وہ بیویاں جن کے خاوند لاپتہ ہوں	
قراردادِ مقاصد (احمد ملتانی)	۶۱
رفتارِ عالم	۶۵
لیبڈیز پریڈ کی تصویر دیکھ کر (محترم الطاف صاحب)	۷۰

رام داس

ہندو تھا اور ہندو ہی رہا لیکن بعض مصلحتوں کی بنا پر اس نے اپنا نام عبداللہ رکھ لیا۔ سب جاننے والے اس کی اس حرکت کا مذاق اڑاتے اور اس سے کہتے تھے کہ فقط نام کی تبدیلی سے "رام داس" "عبداللہ" کیسے بن سکتا ہے اور اس کا یہ فریب کب تک نبھ سکتا ہے۔ معلوم نہیں اس تبدیلیٔ نام سے رام داس نے اپنے آپ کو فریب دیا تھا یا دوسروں کو فریب دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن بات کچھ بھی ہو، تھی مبنی بر حماقت۔

لیکن اس قسم کی حرکت کسی "رام داس" ہی پر موقوف نہیں۔ بڑے بڑے "عالی دماغ" مدبر بھی یہی کچھ کر رہے ہیں۔ برطانوی عہدِ حکومت میں، گورنمنٹ ہند کی طرف سے قرضوں اور بچت کی اسکیموں وغیرہ کے اعلانات شائع ہوتے تھے تو ان میں صاف طور پر لکھا ہوتا تھا کہ اس روپے پر اتنے فی صدی سود ملے گا۔ پاکستان کی "اسلامی حکومت" کی طرف سے سود کا اعلان شدید گناہ تھا اس لئے کہ ربوا کو قرآن نے بنصِ صریح حرام قرار دے رکھا ہے۔ چنانچہ اس حکومت کی طرف سے "پاکستان سیونگ سرٹیفکیٹ" خریدنے کے متعلق جو اعلانات شائع ہوتے ہیں ان میں لکھا ہوتا ہے کہ

ہر دس روپے بارہ سال کے بعد پندرہ روپے بن جائیں گے۔ گویا ۴ فیصدی سالانہ منافع ہو گا۔

اس طرح حاصل کئے ہوئے منافع پر انکم ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑتا۔

دیکھا آپ نے کہ "اسلامی حکومت" کی برکت سے کس طرح "رام داس" "عبداللہ" میں تبدیل ہو گیا یعنی اضافے کا نام کفار کی حکومت میں سود تھا اس کا نام اسلامی حکومت میں منافع رکھا جاتا ہے اور اس تبدیلیٔ نام سے اطمینان حاصل کر لیا جاتا ہے کہ حرام حلال میں تبدیل ہو گیا۔

ہم اس وقت اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے کہ ڈاکخانہ اور بینک میں جمع کردہ روپے پر جو اضافہ ملتا ہے وہ حرام ہے یا حلال۔ کہنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی حکومت کا کام یہ تھا کہ اس سوال کو قرآن کی روشنی میں حل کرتی اور اس کے بعد اگر وہ اس نتیجہ پر پہنچتی کہ یہ اضافہ ربوا میں داخل نہیں تو بڑی جرأت سے اس کا اعلان کرتی۔ محض نام کی تبدیلی کو ماہیت کی تبدیلی سمجھ لینا ایک ایسی خوش فہمی ہے جسے خود فریبی یا ابلہ فریبی سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہودیوں کے متعلق قرآن میں ہے کہ وہ لفظوں کو توڑتے مروڑتے رہتے تھے۔ یہ بھی اسی قسم کی ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ اسی فریبِ نفس کو دور کرنے کیلئے قرآن نے فرمایا تھا کہ اسماء سمیتموھا انتم واٰباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان (۵۳/۲۳) "یہ فقط نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ چھوڑے ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی سند نازل نہیں ہوئی۔"

خدا کرے ہمارے اربابِ حل و عقد الفاظ کی خود فریبی سے نکل کر حقائق کا براہ راست سامنا کرنے کی کوشش کریں کہ

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر — ترا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

تھیٹر کے جوکر

جب تھیٹر والوں کو ایک سین کے بعد کسی ایسے سین کے بدلنے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے اسٹیج میں کافی رد و بدل کرنا پڑے تو وہ اسٹیج کے سامنے پردہ ڈال دیتے ہیں اور پردہ کے باہر جوکر (Jokers) بھیج دیتے ہیں جو ناظرین کی توجہ کو اپنی طرف جذب کئے رکھتے ہیں۔ نادان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اصل ڈرامہ کا حصہ ہے حالانکہ یہ محض اس لئے ہوتا ہے کہ تھیٹر والوں کو اتنا وقت مل جائے کہ وہ پس پردہ حسب منشا تبدیلیاں کر سکیں۔ جب وہ تبدیلیاں مکمل ہو جاتی ہیں تو جوکروں کا کھیل ختم ہو جاتا ہے اور پردہ اٹھ جاتا ہے۔

دورِ حاضرہ کی سیاسی اصطلاح میں ان جوکروں کو کمیشن کہتے ہیں۔ جب کسی شاطر حکومت کو اپنی ابلیسی چال کیلئے کچھ وقت کی مہلت مطلوب ہوتی ہے تو وہ اپنی سیاسی اسٹیج پر پردہ گرا دیتی ہے اور پردے کے باہر ایک کمیشن بھیج دیتی ہے جو دیکھنے والوں کی توجہ کو اس طرح اپنی طرف مبذول کئے رکھتا ہے کہ انہیں احساس ہی نہیں ہونے پاتا کہ پس پردہ کیا ہو رہا ہے۔ جب تدبیر پس پردہ مکمل ہو جاتی ہے تو کمیشن کے جوکر واپس چلے جاتے ہیں اور دیکھنے والے یہ دیکھ کر بھونچکے رہ جاتے ہیں کہ اس اثنا میں اسٹیج کا نقشہ ہی بدل چکا ہے۔

ان سیاسی ڈراموں میں جوکروں کے ہاتھوں سب سے زیادہ مات والی مسلمانوں کی سادہ لوح قوم ہے۔ اور اسٹیجوں کو چھوڑئیے۔ آج کل کشمیر کے اسٹیج پر اسی قسم کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ دولِ متحدہ کے کمیشن کے جوکر نہایت چابکدستی سے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ سادہ لوح مسلمان ان کے کھیل میں کچھ اس طرح جذب ہو رہا ہے کہ اسے محسوس ہی نہیں ہونے پاتا کہ پس پردہ انگریز اور ہندو کی ملی بھگت کیا کچھ کر رہی ہے۔ انگریز اور ہندو اکیلے اکیلے بھی مسلمانوں کی تخریب کے لئے کچھ کم نہ تھے لیکن جب یہ دونوں اس طرح مل جائیں تو ان کی دسیسہ کاریوں کا پوچھنا ہی کیا۔ ان پر بھروسہ کرنا اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنا ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے مقامر ہیں پختہ کار بہت
نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی

اس لئے :

گرچہ ہے دلکشا بہت حسنِ فرنگ کی بہار
طائرک بلند بال، دانہ و دام سے گذر

مادر پدر آزادی

جب کسی قوم کو تطہیرِ فکر، پختگیٔ عقائد اور بلندیٔ سیرت کے بعد آزادی ملے یعنی انکی آزادی، ان کی قلبی اور ذہنی صلاحیتوں کا فطری نتیجہ ہو تو وہ قوم اس حقیقت کو علی وجہ البصیرت دیکھتی اور اپنے ضمیر کی انتہائی گہرائیوں میں محسوس کرتی ہے کہ صحیح آزادی نام ہے قوانین وضوابط کی پابندی کا۔ وہ سمجھتی ہے کہ صحیح اختیار ہمیشہ جبر سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ جب تک پانی کی طغیانیاں ساحل کی بندشوں میں محصور ہیں اس کا نام ندی ہے اور اس کا وجود باعث فلاح وبہبود۔ لیکن جونہی وہ ساحل کی قیود کو توڑ کر بے زمام ہو جائے، ندی سیلاب بن جاتی ہے اور اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

پاکستان میں نوجوانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ آزادی سے مفہوم ہے ہر قسم کے اخلاقی ضوابط سے سرکشی اور مستقل اقدارِ انسانیت سے بغاوت۔ "دورِ جہالت" میں اگر کوئی فرد کسی اخلاقی قدر کی خلاف ورزی کرتا تھا تو وہ اپنے دل میں محجوب اور معاشرہ کی نگاہ میں معتوب ہوتا تھا۔ لیکن اس "دورِ تہذیب" کے یہ نوجوان اپنی اس سرکشی اور بے باکی میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اگر ان سے کسی اخلاقی پابندی کا تقاضا کیا جاتا ہے تو شور مچا دیتے ہیں کہ یہ آئینِ آزادی کے خلاف ہے۔ فحاشی اور عریانی کے ان علمبرداروں نے اپنا نام رکھ چھوڑا ہے "ترقی پسند مصنفین" اور اپنی اس آوارگیٔ فکر ونظر کو کہتے ہیں "ادبِ لطیف"۔ چونکہ یہ "ادب" ذہنی تعیش اور خیالی معصیت کوشی کے لذائذ وحظائظ کا سامان بہم پہنچاتا ہے اسلئے (ظاہر ہے کہ) بازاری طبقہ میں اس کی مانگ بہت ہوتی ہے۔ لمتے یہ طبقہ اپنی مقبولیت پر محمول کرتا ہے۔ اس مقبولیت میں مزید اضافہ کے لئے انھوں نے "مزدوروں کی حمایت" اور "سرمایہ داری کی مخالفت" وغیرہ قسم کے چند عنوانات تجویز کر رکھے ہیں جن کے تحت یہ انقلاب کے دعویدار بن کر سامنے آتے ہیں حالانکہ ان کا یہ انقلاب، اخلاقی ضوابط کو الٹ دینے کی کوشش کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

یہ مرض اس قدر متعدی ہوتا چلا جا رہا ہے کہ اگر اس کی روک تھام کے لئے مؤثر اقدام نہ کیا گیا تو ڈر ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ہماری پوری کی پوری نئی پود بداخلاقی کے جراثیم کا پیکر، مدقوق ومسلول بن کر رہ جائیگی۔

ہمارے اس خود فریب نوجوان طبقہ کو کون بتلائے کہ

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی   رکھتے نہیں جو فکر وتدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار   انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

مجبوریاں

غالباً کنفیوشس کا قول ہے کہ

عورت کا جو قدم آگے بڑھ جائے اسے پیچھے لوٹانا قدرت کے بس میں بھی نہیں رہتا۔

جب ہمیں نئی نئی آزادی ملی تو ہماری "اعلیٰ سوسائٹی" کی "بیگمات" ایک دوسری کی دیکھا دیکھی، اچھلتی، پھاندتی، ایک دو نہیں، دس دس، بیس بیس قدم آگے بڑھ گئیں۔ مرد خوش تھے کہ "بیگمات" مہذب (Up to Date) بن رہی ہیں۔ اب جو ذرا طوفان تھما ہے تو بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ یہ کیا ہو گیا؟ نہ کہیں حیا ہے نہ غیرت۔ نہ شرم ہے نہ جوہر نسائیت۔ گھروں کی جنتیں، جہنم میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ اولاد آوارہ ہو رہی ہے۔ اطمینان و سکون مفقود ہو چکا ہے۔ اقتصادی حالت تباہ کن درجہ تک پہنچ چکی ہے۔ وہ صورت آئینہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور چپ ہیں۔ یقین مانئے! تہذیب حاضر کی ان تیتریوں کی ان بے باکیوں کو جس قدر آپ محسوس کر رہے ہیں ان سے کہیں زیادہ ان کے شوہر محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ کونسا مرد ہو گا جو اپنی بیوی کو دوسروں کے آغوش میں دیکھے اور اس کے خون میں حرارت پیدا نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ دو چار شٹوں کے بعد یہ جذبۂ غیرت و حمیت دب کر رہ جائے لیکن اتنی جلدی تو یہ افسردہ نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا ان پر غصہ نہ کیجئے۔ ان بچاروں پر ترس کھائیے کہ یہ بہت مجبور اور بے بس ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس طوفانِ بدتمیزی کو اس طرح بدلگام چھوڑ دیا جائے۔ اس کا علاج نہایت ضروری ہے ورنہ آپ کی آنیوالی نسلوں میں اخلاق اور بداخلاقی کی تمیز ہی باقی نہیں رہے گی۔

اس کا علاج بھی چنداں مشکل نہیں۔ نمائش حسن کے جذبہ کی تسکین دیکھنے والوں کی نگاہوں سے ہوتی ہے۔ آپ اپنی نگاہوں کو روک لیجئے، یہ نمائش خود بخود ختم ہو جائے گی۔ کسی ایسے اجتماع میں شریک نہ ہوجیے جہاں عورتوں کی ان بے باکیوں کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ یہ جذبۂ نمائش کس طرح ٹھٹھر کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے ایک رنگین غزل گو شاعر کے الفاظ میں

جو مجھ کو گدگدائے وہ جوبن کا ہے ابھار جو تم کو گدگدائے وہ میری نگاہ ہے

اپنی نگاہ کو روکئے، حسنِ عریاں، جوہرِ مستور بننے پر مجبور ہو جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

گذشتہ عالمگیر جنگ نے ہندوستان (اور اس کے سابقہ حصہ پاکستان) کو جن نئی نئی اصطلاحات سے نوازا ہے ان میں سب سے نمایاں حیثیت "بلیک مارکٹ" کو حاصل ہے۔ اس کی ابتدا تو اس سے شروع ہوئی کہ بیع و شریٰ کے مسلمہ آئین و ضوابط کو پس پشت ڈال کر غیر آئینی طریق سے جو نفع حاصل کیا جائے اسے "بلیک مارکیٹ" کہا جاتا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ مسلک، خرید و فروخت کی تنگنا سے نکل کر زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہو گیا۔ جنگ ختم ہو گئی لیکن اس سانپ کی لکیریں، ہمارے معاشرہ کا مستقل جزو بن چکی ہیں۔ آپ غور سے دیکھیں گے تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی کہ جنگ سے پیشتر جن اخلاقی بنیادوں پر عام معاشرت کی عمارت استوار ہوتی تھی، وہ سب بنیادیں منہدم ہو چکی ہیں اور ان کی جگہ ان خطوط نے لے لی ہے جو جنگ کی ہنگامی اور بحرانی حالات کے پیدا کردہ تھے۔ جنگ میں بالعموم انسانی دماغوں کا توازن قائم نہیں رہتا۔ اس لئے کہ انسانی فکر، عام حالات میں جس نہج و اسلوب سے معاملات زندگی کو سلجھانے کا عادی ہوتا ہے، جنگ کے ہیجانی حالات میں اس انداز و اسلوب سے کام نہیں چلتا۔ اس لئے ذہن کو نئی نئی راہیں تراشنی پڑتی ہیں۔ پھر چونکہ مغربی فلسفۂ زندگی نے "جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز" قرار دے رکھا ہے، اس لئے جنگ کے دوران میں مقصد پیش نظر جنگ جیتنا ہوتا ہے۔ ان ذرائع کے جائز و ناجائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو اس مقصد کے حصول میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ذرائع اور مقصود کے اس نگاہ فریب فرق سے آئین و اخلاق کی مسلمہ دیواریں ایک ایک کر کے ٹوٹتی جاتی ہیں اور انسانی معاشرہ، ازمنہ مظلمہ کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "بلیک مارکیٹ" زندگی کا عام چلن قرار پا جاتا ہے۔ یہ ہماری بدبختی تھی کہ پاکستان کی تشکیل، اس زمانہ میں ہوئی جب سوسائٹی کا عام نقشہ یہی ہو چکا تھا۔ آپ غور کیجئے تو ہماری سوسائٹی کی عام حالت یہ ہو چکی ہے کہ ہر جگہ "بلیک مارکیٹ" کا دور دورہ ہے۔ کیا تجارت اور کیا صنعت و حرفت۔ کیا لین دین اور کیا کاروبار، کیا کارخانے اور کیا دفاتر، کیا گھر اور کیا اس کے باہر، کیا ملت اور کیا اس کے لیڈر، ہر طبقہ دوسرے کی جیب کاٹنے کی فکر

میں سرگرداں دکھائی دے گا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کسی ایک کو دوسرے پر اعتماد نہیں۔ کسی کو کسی کی بات کا یقین نہیں۔ کہاں وہ کیفیت کہ کسی سے ایک بات طے ہو گئی تو اس کے بعد آپ چین کی نیند سو گئے۔ اور کہاں اب یہ حالات کہ اول تو ۹۰ فی صدی ایسے جنہیں بات کا پاس ہی نہیں اور اگر کہیں کسی ایک نے اسے پورا بھی کر دیا تو دل میں یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ جانے اس میں بھی کیا راز ہو؟ نتیجہ یہ کہ عدم اطمینان اور فقدانِ اعتماد کی آگ ہے جو دلوں کی بستیوں کو اندر ہی اندر راکھ کا ڈھیر بنائے جا رہی ہے۔ نہ میاں کو بیوی پر اعتماد ہے نہ باپ کو بیٹے پر۔ نہ دوست کو دوست پر بھروسہ ہے نہ مالک کو نوکر پر۔ نہ گاہک کو دکاندار کی بات کا اعتبار ہے نہ دکاندار کو گاہک کے قول کا یقین۔ نہ حکومت رعایا سے مطمئن ہے نہ رعایا حکومت سے خوش۔ سوسائٹی نہیں، جنگل ہے جس میں وحشت و بربریت کا دور دورہ ہے۔ انسانوں کی بستی نہیں، درندوں کا بھٹ ہے جس میں

ہر گرگ کو ہے برۂ معصوم کی تلاش

مستقل اقدارِ انسانیت کو نظامِ کہن کی بوسیدہ یادگاریں کہہ کر ٹھکرایا جا رہا ہے اور اخلاقی ضوابط کو عہدِ جہالت کے مٹنے والے نقوش قرار دے کر ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ نظامِ کہن کے آئین اس طرح ختم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ کوئی نیا نظام قائم نہیں ہوا۔ چونکہ کارگہِ فطرت میں خلا محال ہے اس لئے اس خلا کو بے آئینی پر کر رہی ہے۔ جب انسان خدا کی پرستش سے بیگانہ ہو جاتا ہے تو شیطان کی پرستش شروع کر دیتا ہے۔ یہ شیطان کی پرستش ہے وہ ہنگامی اسلوبِ معاشرت جو جنگ کے زمانہ میں پیدا ہوا اور اب ہماری بساطِ زندگی کے ہر گوشے پر چھا رہا ہے۔ محبت، عقیدت، اخلاص، مروت، اخوت، غرضیکہ شرفِ انسانیت کی تمام سوتیں خشک ہو چکی ہیں اور ان کی جگہ خود غرضی اور فریب دہی، مطلب پرستی اور بددیانتی، منافقت اور بے ایمانی کے کثیف اور پُر عفونت گندے نالے بہہ رہے ہیں۔ غرضیکہ معاشرہ کی حالت وہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کچھ عرصہ اور یہی لیل و نہار رہے تو عجب نہیں کہ ہم اس عہدِ تاریکی میں جا پہنچیں جہاں انسان علم و تہذیب اور آئین و ضوابط کے دور سے پہلے تھا اور ہماری زندگی، انسانی سطح سے نیچے گر کر حیوانیت کی درندگی کی سطح پر جا پہنچے۔

قوم انسانی پستی کے ایسے اسفل درجہ تک پہنچ چکی ہے لیکن مقامِ صد حیرت و ہزار عبرت ہے کہ ساری قوم میں کوئی ایک خدا کا بندہ بھی ایسا نہیں جو بربادی اور ہلاکت کے اس تباہ کن انجام کا احساس کرے قوم کے دھارے کا رخ بدلنے کی فکر کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم بری طرح سے بانجھ ہو چکی ہے اور اس نے انسان پیدا کرنے ہی بند کر دیئے ہیں۔ قوموں کی تباہی اس وقت آیا کرتی ہے جب ان میں اصحابِ بصیرت باقی نہ رہیں۔ یعنی وہ جو آنے والے خطرات کو وقت سے بہت پہلے بھانپ لیں اور ساعتِ ہلاکت سے پہلے ان خطرات کے سدِ باب کی فکر کر لیں۔ ہمارے ہاں نہ کوئی ایسا صاحبِ فکر ہے جو یہ سوچ سکے کہ قوم کو بچانے کے

اور نہ کوئی صاحبِ عمل جو اس بے راہ رو ہجوم کا ہاتھ پکڑ کر اسے راستہ پر لگا دے۔ زعمائے قوم (جو بالعموم اپنے جوہر اور صلاحیتوں کی بنا پر نہیں بلکہ محض اتفاقاتِ زمانہ کی بدولت، راہ نما بن گئے ہیں) بجائے اس کے کہ سراغِ منزل سے راہِ صواب متعین کر کے خود بھی اس پر گامزن ہوں اور قوم کو بھی اپنے پیچھے لے چلیں، خود کشاں کشاں اس طرف چل دیتے ہیں جس طرف اس ہجوم کا ریلا انہیں دھکیل کر لے جائے، بایں نمط کہ

نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

قوم سنجیدہ فکر سے عاری ہو رہی ہے اور کوئی سوچنے والا نہیں کہ اس ذہنی انتشار اور فکری آوارگی کا نتیجہ کیا ہوگا! ان کے سامنے انسانی زندگی کا کوئی بلند مقصد اور سیرت کا کوئی اعلیٰ معیار نہیں رہا اور کسی کو اس کی فکر نہیں کہ سوچے کہ اس عدم یقینِ منزل اور پستی کردار کا مآل کیا ہوگا! ہم مانے لیتے ہیں کہ ملت کے اربابِ نظم و نسق نے ایسے نامساعد حالات میں، اس خطۂ زمین کے تحفظ و استحکام کے لئے اپنی بساط بھر بہت کچھ کیا ہے لیکن قومیں محض سامانِ خورد و نوش اور آلاتِ حرب و ضرب کے سہارے ہی زندہ نہیں رہا کرتیں۔ ان کی زندگی ان کی پختگیٔ عقائد اور بلندیٔ سیرت سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دفاع و محاربہ کے ہزار سامان و ادوات بھی انہیں محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اور یہ ہوں تو اسباب و ذرائع کی بہت سی کمیاں بھی پوری ہو جاتی ہیں۔

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!

قوموں کی زندگی نفس شماری سے نہیں، نفس گدازی سے مانی جاتی ہے۔ قوموں کی ہلاکت سے یہی مفہوم نہیں ہوتا کہ ان کی نسل سے صفحۂ ارض پر کوئی متنفس باقی نہ رہے اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مخصوص تصورِ حیات نہ رہے۔ اسباب و ذرائع اور ساز و یراق، اس تصورِ حیات اور آئینِ زندگی کے تحفظ کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ مقصود بالذات۔ اگر یہ تصورِ حیات ہی باقی نہیں تو پھر اجسام کی حفاظت ایسی ہی ہے جیسے کسی نیام بے شمشیر کی حفاظت۔ اصل قیمت گوہر کی ہے نہ کہ صدف کی۔ حفاظت گلاب کی مقصود ہے نہ کہ بوتل کی۔ بلا تصورِ حیات، زندگی ایک جسدِ بے روح ہے جس کی اگر حفاظت بھی کی جائے تو سوائے اس کے کہ وہ ممی خانوں کی زینت بن جائے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ حیوان اور انسان میں فرق ہی یہ ہے کہ وہ محض اپنے جسم کو زندہ اور متحرک رکھنے کی خاطر زندہ رہتا ہے اور انسان زندگی کی حفاظت اس لئے کرتا ہے کہ یہ ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اگر وہ مقصد ہی سامنے نہ رہے تو پھر انسانی زیست اور حیوانی تگ و تاز میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ دنیا میں کوئی قوم، حیوانی سطح پر زندہ نہیں رہتی۔ اس کے افراد بیشک چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن وہ نیام ہوتے ہیں بے شمشیر۔ وہ صدف ہوتے ہیں بے گوہر۔ وہ الفاظ ہوتے ہیں بے معنی۔ وہ قرابہ ہوتے ہیں بلا گلاب۔ اولٰئك كالانعام بل هم اضل۔ کہ جس کا جی چاہے، انہیں ایک

شاخِ سبز دکھا کر جدھر چاہیے لے جائیے۔ یاد رکھئے! انسان کبھی جسم کی خاطر جان نہیں دیتا کہ جان دینے سے جسم باقی ہی نہیں رہتا۔ وہ جان دیتا ہے جسم سے کسی بلند مقصد کے لئے۔ لہذا جس مقصد کی خاطر انسان جان جیسی متاعِ عزیز و گراں بہا تک قربان کر دیتا ہے اس کے تحفظ کے لئے وہ اور کس قربانی سے ہچکچائے گا؟ یہ ہے وہ جذبہ جو دنیا میں قوموں کی زندگی کا ضامن ہوتا ہے۔ اور یہی ہے وہ جذبہ جو آج ہماری قوم کے دلوں سے مفقود ہو چکا ہے۔ اسی جذبہ کا فقدان تھا جس کی وجہ سے تقسیم ہند کے وقت محشرستانِ پنجاب و نواحِ دہلی میں، مسلمان اس بری طرح سے ذبح ہو گئے۔ اگر ان کے سامنے زندگی کا کوئی بلند مقصد ہوتا جس کے تحفظ کے لئے انسان اپنی جان تک دیدیتا ہے، تو کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا۔ اس لئے کہ جو انسان، مرنے کے لئے تیار ہو جائے، اسے مارنا آسان نہیں ہوتا۔ مرتا وہ ہے جو موت سے بھاگتا ہے اور موت سے وہی بھاگتا ہے جس کے سامنے تحفظ کے لئے جان سے زیادہ عزیز کوئی متاع نہیں ہوتی۔ یہ ہماری محرومیٔ قسمت تھی کہ تشکیلِ پاکستان سے پہلے، قوم میں تعمیرِ سیرت (یعنی ایک مقصدِ بلند کے تعین اور اس کے تحفظ کی خاطر جذبۂ جاں سپاری) کے لئے کچھ نہ ہو سکا۔ اس وقت کے حالات ہی ایسے تھے۔ لہذا قوم ایک انبوہ اور ہجوم سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ لیکن بدبختی تو اس میں ہے کہ حصولِ پاکستان کے بعد بھی نہ اس کا احساس ہی ہوا، نہ اس کے حصول کے لئے کوئی جد و جہد۔ قوموں کی تعمیر کے دو گوشے ہوتے ہیں۔ ایک تو موجودہ نسل میں صلاحیتوں کی بیداری اور دوسرے آنے نسل کی صحیح تربیت۔ ہو سکتا ہے کہ کسی قوم کی موجودہ نسل میں ارتفاع و ارتقاء کی صلاحیتیں ہی باقی نہ رہی ہوں۔ اس صورت میں اربابِ فکر و نظر کی پوری توجہات آنے والی نسل پر مرکوز ہو جاتی ہیں تاکہ یہ ابھرنے والے بچے، پیکرِ آب و گل کے بجائے، زندگی کے جیتے جاگتے مجسمے بن کر سامنے آئیں۔ صاحبِ ضربِ کلیم حضرت موسیٰؑ نے جب بنی اسرائیل کو فرعون کے دستِ استبداد سے نجات دلائی ہے تو ان کے سامنے یہی مقصدِ جلیل دنیع تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ فرعون کی انسانیت کش حکمتِ عملی نے کس طرح، نہ صرف بنی اسرائیل کی نسلِ حاضر کو زندگی کی لذتوں سے بیگانہ بنا رکھا ہے بلکہ وہ ان کی آنے والی نسلوں کو بھی کس بری طرح سے ذبح کئے جا رہا ہے۔ انھوں نے بنی اسرائیل کو محکومی کے چنگل سے نکالا تو اپنی تمام سعی و کاوش آنے والی نسل کی تربیت کے لئے وقف کر دی۔ نتیجہ یہ کہ جب وہ "شاہین بچے" جوان ہوئے ہیں تو انھوں نے نظامِ کہن کی ہر فرسودہ بساط کو الٹ کر رکھ دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ محکومی اور آزادی میں فرق ہی یہ ہوتا ہے کہ آزادی میں ہم اپنی آنے والی نسلوں کی تربیت اپنے تصورات کے مطابق کر سکتے ہیں اور یہ چیز محکومی میں ممکن نہیں ہوتی۔ ہمیں دیکھنا یہ چاہئے کہ اس دو سال کے عرصۂ آزادی میں ہم نے اپنے بچوں کی تعلیم میں کیا تبدیلیاں پیدا کی ہیں جس سے ان کا دل و دماغ ان سانچوں میں ڈھل جائے جو ہمارے تصوراتِ حیات کا آئینہ ہیں۔ جہاں تک ہم دیکھ رہے ہیں اس سوال کا جواب نہایت

مایوس کن ہے۔ ہم بالکل نہیں سمجھ سکتے کہ اس کوتاہی کے لئے کوئی بھی وجہ جواز ہو سکتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو کارخانے کھولنے کے لئے مشینوں کی ضرورت ہے جو ممالک غیر سے منگانی پڑیں گی۔ اس لئے یہ احتیاج ہماری صنعت و حرفت کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے۔ ہمیں اسلحہ و آلات عسکریت کے لئے بھی بیرونی امداد کی احتیاج ہے اس لئے ہم اس باب میں بھی معذور ہیں۔ ہمیں فنی (Technical) شعبوں میں ٹریننگ کے لئے ماہرین فنون کی ضرورت ہے جن کی ہمارے ملک میں سردست کمی ہے۔ اس لئے ہم اس باب میں معذور ہیں۔ لیکن یہ فرمائیے کہ آپ کی راہ میں اپنے بچوں کے لئے جدید نصاب تعلیم تیار اور نافذ کرنے کے لئے کونسا سنگ گراں حائل ہے جس کے لئے آپ

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہیں

آپ کو اس سوال کا جواب یہ ملے گا کہ صاحب! قوم میں ان لوگوں کی کمی ہے جو عمدہ نصاب تعلیم تیار کر سکیں۔ اس باب میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ جو لوگ آپ کے ہاں موجود ہیں ان سے کیا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے؟ اس ضمن میں ایک واقعہ کے تو ہم خود شاہد ہیں جو اس وقت ضمناً ہمارے سامنے آگیا ہے۔ علامہ اسلم جیراجپوری کی ذات گرامی سے آج علمی حلقہ میں کون ناواقف ہے! بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ آج نہ صرف ہندوستان اور پاکستان بلکہ پورے عالمِ اسلامی میں قرآن، مسلمانوں کی تاریخ اور اسلام کے خصائص کبریٰ کا جاننے والا ان سے بہتر شاید ہی کوئی مل سکے۔ علمی تبحر کے ساتھ ساتھ ان کا تقویٰ اور حسن سیرت فی الواقعہ ایک "مومن حقہ" کی زندہ تصویر۔ اجتہاد کی یہ کیفیت کہ قرآن کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا پورا نظام ان کی نگاہوں کے سامنے۔ سیاستِ عالم اور تحریکاتِ شرق و غرب پر غائر نگاہ۔ اور اس کے ساتھ استغنا کی یہ کیفیت کہ کھدر کے دو جوڑے کپڑوں میں دل کے انتہائی سکون سے گذارہ کرنے کے عادی۔ اس قسم کی ہستی مملکتِ پاکستان کے دارالسلطنت میں قریب آٹھ نو ماہ تک قیام پذیر رہی اور ان سے کوئی کام نہ لیا گیا۔ ان کی "تاریخ الامت" ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں بطور نصاب داخل تھی۔ اور کچھ نہیں تو پاکستانی طالب علموں کے لئے ان سے تاریخ کا نصاب ہی مدون کرا لیا جاتا۔ لیکن اس کی کسی نے ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ وہ ہمیں تاریخ اور قرآنی فقہ دونوں مرتب کر کے دے سکتے تھے۔ لیکن اس کے لئے تو مرتب کرانے والوں کا احساس شرطِ اول تھا۔ ہم نے یہ واقعہ اس لئے درج کر دیا ہے کہ یہ ہماری ذاتی معلومات میں تھا۔ ورنہ نہ معلوم اور کتنے جوہر گراں مایہ اسی طرح سے ضائع ہو رہے ہیں۔ اصل سوال احساس کا ہے۔ جب تک احساس پیدا نہیں ہوتا، کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پاس آدمی بھی ہیں، ذرائع بھی ہیں۔ لیکن اس ضرورت کا احساس نہیں ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اور احساس دل کی گہرائیوں سے ابھرا کرتا ہے، باہر سے ٹھونسا نہیں جایا کرتا۔

ہم جانتے ہیں کہ قوم یہ کہہ کر اپنے آپ کو اطمینان دلا لیگی کہ یہ حکومت کا کام ہے اس لئے اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت ہی کے سر عائد ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باب میں اولیں فریضہ حکومت ہی کا ہے

لیکن اگر حکومت کی طرف سے کچھ انتظام نہیں ہوگا تو کیا آپ صرف اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے؟ کیا قوم کے اربابِ ثروت پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟ سرسید مرحوم نے حکومت کے فیصلوں کا انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ اللہ کا بندہ، اللہ کا نام لیکر خود اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ضرورت ہے کہ کسی صحت افزا مقام پر ایک ایسا دارالعلوم قائم کیا جائے جس میں اس قسم کی تعلیم دی جائے جس سے ہمارے بچوں کے قلب و دماغ کی تعمیر صحیح اسلامی خطوط پر ہو سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ اسے حکومت کی صوابدید (Recognition) حاصل ہو۔ اول تو ممکن نہیں کہ حکومت اپنی صوابدید سے انکار کردے۔ لیکن بفرضِ محال اگر اسے حکومت کی صوابدید نہ بھی حاصل ہو تو بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکے گا کہ اس درسگاہ کے فارغ التحصیل طالب علم سرکاری ملازمتوں میں نہیں آسکیں گے۔ آپ وہاں داخل ہی انہیں کیجئے جن کا مقصودِ تعلیم سرکاری ملازمتیں نہ ہوں۔ تعلیم کا مقصود چند ملازمت توفی الحقیقت تعلیم کی توہین ہے۔ یہ تو برطانوی استعمار کی لعنت تھی جو انہوں نے درسوں کو "کلارک سازی" کے کارخانے بنا رکھا تھا۔ تعلیم کا مقصد اس سے کہیں بلند ہوتا ہے۔ تعلیم سے قوم کی تعمیر ہوتی ہے۔ اگر ہمارا اربابِ ثروت طبقہ مقامی سیاسیات اور ہنگامی تحریکات سے ایک طرف ہٹ کر صرف اس قسم کی ایک یا ایک سے زیادہ درسگاہوں کے قیام کی فکر کرے تو یقین مانئے کہ یہ ملت کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ قیامِ درسگاہ سے پہلے ان اربابِ علم و ہنر کو فکرِ معاش سے آزاد کر کے یکجا جمع کر لیجئے جو قوم کے بہترین معلم بن سکتے ہیں۔ ان سے نصاب مرتب کرائیے اور پھر اس نصاب کے مطابق تعلیم شروع کر دیجئے۔ درسگاہ کا معیار نہایت شستہ اور پاکیزہ ہونا چاہیئے اور اسے ہنگامی سیاسیات سے الگ تھلگ رکھ کر خالص تعمیری عناصر کی تجربہ گاہ بنا دینا چاہیئے۔ اہلِ دولت اپنی دولت دیں اور اربابِ فکر و نظر اپنے جوہرِ ادراک۔ ان دونوں کے امتزاج سے اس درسگاہ کا وجود عمل میں آئے جس سے ایسے طالب علم نکلیں جو کاروانِ انسانیت کی امامت کے اہل ہوں۔ اس کام میں صرف ابتدا مشکل ہے۔ اس کے بعد یہ اپنے زورِ دروں سے خود بخود آگے چلتا جائیگا۔ اس کے نتائج ایسے درخشندہ اور اس کے ثمرات ایسے زندگی بخش ہوں گے کہ ایک طرف یہ اپنے اخراجات بھی خود پورے کرتا جائیگا اور دوسری طرف ملت کے بہترین دل و دماغ اس کی طرف از خود کھنچے چلے آئیں گے۔

کیا قوم میں ایسے دردمند لوگ موجود ہیں جو وقت کی اس اہم ضرورت کا احساس کریں اور اس کے پورا کرنے کے لئے عملی اقدام کریں۔ اگر آپ کے ذہن میں اس کے متعلق کوئی خاص تجویز ہو تو طلوعِ اسلام کے صفحات اس کے لئے ہر وقت کھلے ہیں۔ واللہ المستعان علیہ توکلت والیہ انیب۔

مسلم لیگ اور وزیرِ اعظم پاکستان

مغربی پنجاب مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ۲۲ مئی کو ایک قرارداد میں مطالبہ کیا کہ صوبے کے "غیر پاکستانی" گورنر سر فرانسس موڈی کو موجودہ عہدہ سے برطرف کر دیا جائے۔ قرارداد میں "صوبائی، پاکستانی اور ملی" نقطہ ہائے نظر سے غیر پاکستانی گورنر کے اندازِ حکومت کی مذمت کی گئی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا:

گورنری حکومت نے مسلم لیگ کو درہم برہم کرنے کی سنگین کوششیں کی ہیں۔(اور) . . . لیگ کے خلاف نفرت پھیلانے کی خبیث چالیں چلی ہیں . . . یہ پی گورنر کی زیر نگرانی چلنے والی حکومت ایسی سازشوں میں مصروف ہے جس سے مسلم لیگ کا جسد اندر اور باہر سے ناکارہ ہو جائے۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم لیاقت علی خاں صاحب نے ۱۴ مئی کو مسلم لیگ کے الزامات کو غیر حقیقی اور غیر واقع قرار دیا۔

ہم اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ مسلم لیگ کے عائد کردہ الزامات کس حد تک صحیح ہیں اور "غیر پاکستانی" گورنر کا رویہ کس تک قابل مذمت ہے۔ ہم اس وقت اس اصولی سوال کو چھیڑنا چاہتے ہیں جو مسلم لیگ اور وزیر اعظم کے بیانات سے پیدا ہوتا ہے۔ موجودہ مرکزی اور صوبائی حکومتیں مسلم لیگ کی ہیں۔ ارباب حکومت تسلیم کرتے ہیں کہ یہ حکومتیں پارٹی طرز کی حکومتیں ہیں اور وہ اسی لئے مسلم لیگ کو باقی رکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ پارٹی طرز حکومت کے لئے حکومت سے باہر ایک پارٹی کا وجود ناگزیر ہے۔ لیکن جمہوریت اور سیاست میں سیاسی پارٹی اپنی نامزد کردہ حکومت پر فائق ہوتی ہے۔ پارٹی لائحہ عمل وضع کرتی ہے اور پارٹی کی حکومت اس پر بلا چون وچرا عمل کرتی ہے۔ جب پارٹی کے مرتب کردہ لائحہ عمل سے ارباب حکومت کو اختلاف ہوتا ہے تو وہ پارٹی اور حکومت سے مستعفی ہو جاتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلم لیگ اور وزیر اعظم پاکستان کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کیا وزیر اعظم مسلم لیگی ہونے کی حیثیت سے مسلم لیگ کے ڈسپلن کے ماتحت نہیں؟ اگر ہیں تو جب پارٹی یہ کہتی ہے کہ مغربی پنجاب کا گورنر اس قابل نہیں کہ اسے اہم عہدہ پر رہنے دیا جائے کسی فرد واحد کو جو مسلم لیگی ہو، عام اس سے کہ وہ وزیر اعظم ہی کیوں نہ ہو، یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ جماعت کی قرارداد کو غلط قرار دے اور اس کے خلاف "فیصلہ" صادر کرے۔ حکومت پارٹی کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے نہ کہ پارٹی حکومت کے سامنے۔ وزیر اعظم صاحب نے مسلم لیگ کو یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ اسے اپنی شکایات مرکزی حکومت کے گوش گذار کرنی چاہئیں تھیں۔

لیکن یہاں سوال شکایات کا نہیں تھا۔ سوال یہ تھا کہ پارٹی کے خیال میں ایک صوبے کے گورنر کا بدل دینا ضروری تھا۔ حکومت اگر پارٹی کے تابع ہے تو حکومت کے لئے پارٹی کے اس فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ ہی نہیں تھا، یہ تو رہی حکومت کی پوزیشن۔

اب دوسری طرف پارٹی کو لیجئے۔ اس نے اگر ایک فیصلہ کیا تھا تو اسے چاہئے تھا کہ اس کے متعلق غوغا آرائی کے بجائے اسے اپنی حکومت کے ارکان تک پہنچاتی اور ان کا نقطۂ نگاہ معلوم کرتی۔ اگر ان کے جواب کے بعد بھی یہ مطمئن نہ ہوتی تو حکومت سے مطالبہ کرتی کہ وہ اس کے فیصلے کو تسلیم کریں۔ اور اگر اس کے بعد بھی ارکان حکومت ایسا نہ کرتے تو ان کے خلاف تادیبی کاروائی کرتی۔ اور اگر تادیبی کاروائی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یا ارکان حکومت پارٹی کی رکنیت سے الگ کر دیئے جاتے تو انہیں مسانید حکومت خود بخود چھوڑنی پڑتیں۔

لیکن نہ حکومت نے وہ کیا اور نہ پارٹی نے یہ۔ اس لئے کہ ایسا قرآن ممالک میں ہوتا ہے جہاں صحیح

سیاسی فضا ہوتی ہے۔ ہمارا کوتاہ ہاتھ اس نخل بلند تک کہاں جاسکتا ہے! اب آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ طلوعِ اسلام شروع ہی سے اس کا مطالبہ کیوں کر رہا تھا کہ حکومت کسی پارٹی کی نہیں ہونی چاہیئے۔ پوری کی پوری ملت کی ہونی چاہیئے۔

طلوعِ اسلام کی اشاعتِ اولیں (دورِ جدید) سے لیکر اسوقت تک جس چیز کے متعلق ہمیں سب سے زیادہ استفسارات موصول ہوتے چلے آرہے ہیں وہ یہ ہے کہ جناب پرویزؔ کی تصنیف معارف القرآن کی چوتھی جلد کب تک شائع ہوگی۔ ہم نہایت فخر و مسرت سے اعلان کرتے ہیں کہ یہ کتاب اب پریس میں دیدی گئی ہے۔ یوں تو معارف القرآن کی ہر جلد اپنا جواب آپ ہے۔ لیکن جلد چہارم، سابقہ تین جلدوں پر بھی سبقت لے گئی ہے۔ یہ جلد تذکارِ جلیلہ حضور سرورِ کائناتؐ پر مشتمل ہے اس لئے اس میں جناب پرویزؔ کے تدبر فی القرآن کے ساتھ عشقِ رسولؐ کا سوز و گداز بھی شامل ہے۔ رسول اللہؐ کی ایسی سیرت جس کا ماخذ قرآن ہو، اسلامی لٹریچر میں ایک عدیم النظیر تالیف ہے۔ اس پر جناب پرویزؔ کا قلم کہ جو مذہب، فلسفہ اور اخلاق جیسے خشک موضوعات کو بہار صد گلستاں بدامن بنا دیتا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جب یہ تمام خصوصیات یکجا جمع ہو جائیں تو وہ کتاب کیسی ہوگی! کتاب کے شروع میں، قریب پونے دو سو صفحات پر پھیلا ہوا، عنوان "ظہر الفساد فی البر والبحر" ہے جس میں تمام دنیا کے مذاہب، تمدن اور تہذیب کے غائر مورخانہ مطالعہ سے یہ حقیقت بے نقاب کی گئی ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی کوئی مستقل قدر اپنی جگہ پر قائم نہ رہی تھی۔ یہ عنوان بجائے خویش ایک مستقل تصنیف ہے اور جناب پرویزؔ کی وسعتِ معلومات اور تبحرِ علمی کا آئینہ بردار۔ پوری کتاب، بڑی تقطیع کے قریب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہوگی۔ اس کے لئے اعلیٰ درجہ کا ولایتی (گلیزڈ) کاغذ خرید اگیا ہے۔ کتاب تیار ہونے پر آپ خود شہادت دیں گے کہ فی الواقعہ اس قسم کی کتاب ہمارے لٹریچر میں کہیں شائع نہ ہوئی تھی۔ چونکہ کتاب ضخیم ہے اس لئے بہت زیادہ تعداد میں شائع نہیں کی جاسکے گی۔ وہ حضرات جن کے پاس معارف القرآن کی پہلی تین جلدیں موجود ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ چوتھی جلد شائع ہونے کے ساتھ ہی ان تک پہنچ جائے وہ دفتر ادارۂ طلوعِ اسلام کو ایک اطلاعی کارڈ بھیجدیں تا کہ ان کے لئے جلد مخصوص کر لی جائے۔ قیمت کی اطلاع بعد میں دی جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور خوشخبری بھی ہے۔ ہمیں ایک عرصہ سے تقاضے موصول ہو رہے تھے کہ جناب پرویزؔ کے متفرق مضامین جنہوں نے ہمارے دور کی دنیائے فکر و نظر میں فی الواقعہ ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے، یکجا کتابی صورت میں شائع کر دینے چاہئیں تا کہ اہلِ طلب کو ان کی تلاش میں دقت نہ ہو۔ بحمد اللہ ادارہ

طلوعِ اسلام نے یہ مرحلہ بھی طے کرلیا ہے اور محترم پرویز صاحب کے مضامین کا مجموعہ بھی پریس میں جارہا ہے۔ "فردوسِ گم گشتہ" اس نادر مجموعہ کا نام ہے اور کتابی سائز کے قریب چار سو صفحات پر مشتمل۔ اس کتاب کی مانگ بہت زیادہ ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ اس کے متعلق بھی ایک اطلاعی کارڈ ناظم ادارہ کے نام لکھ بھیجیں تاکہ کتاب تیار ہونے پر آپ کو اطلاع دی جاسکے۔

پاکستان اور کامن ویلتھ

دولتِ مشترکہ میں طویل ترین اور اہم ترین دفاعی سرحدات صرف پاکستان کی ہیں۔ اس کے باوجود برطانیہ نے پاکستان کو مطلوبہ مادی اور عملی امداد نہ اب تک دی نہ اب ہی دے رہا ہے جس سے پاکستان اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکے۔ . . . . . برطانیہ نے پاکستان کو غیر منقسم ہندوستان کے دفاعی ذخیروں کی تقسیم میں بھی مطلقاً امداد نہیں دی۔ معاہدہ کی رو سے تقسیم کے وقت ہندوستان کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار ٹن سامان پاکستان کے حوالے کردینا چاہئے تھا۔ لیکن اب تک ہندوستان نے کوئی تیس ہزار ٹن سامان بھیجا ہے اور مزید سامان بھیجنا بند کردیا ہے۔ . . . . میرا خیال ہمیشہ یہ رہا ہے کہ دولتِ مشترکہ ایک جسدِ واحد کی طرح حرکت کرے اور بین الستعمراتی مسائل کو نپٹائے۔ جب تک دولتِ مشترکہ کے ممالک باہمی معاملات کو متحدہ مساعی سے سلجھانے پر آمادہ نہیں ہوجاتے دولتِ مشترکہ کے منتشر ہوجانے کے خدشات حقیقی ہیں۔"

مجھے علم ہے کہ ایک قلیل سا گروہ ہمارے ملک میں ایسا موجود ہے جو برطانیہ کی مخالفت میں پیش پیش ہے لیکن میں اور کابینہ ان کو وقیع نہیں سمجھتے اور ہماری پالیسی سے متعلق فیصلوں پر وہ کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتے۔"

(۲۶ر مئی کو کراچی میں بی۔ بی۔ سی کے نمائندہ سے ملاقات میں
محترم لیاقت علی خان صاحب کے ارشادات)

(طلوعِ اسلام)

اگر ایں آب و جاہ از فرنگ است
جبین خود منہ جز بر درِ او
سرِ ما ہم بہ چوبش دہ کہ آخر
ستے دارد بہ خر پالان گرِ او

(اقبال)

نقد و نظر

ماہنامہ مخزن، لاہور

یہ ماہنامہ اسی سال سے شیخ عبدالقادر بالقابہ کی سرپرستی میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ مخزن کے نام سے یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ شیخ صاحب بالقابہ نے پرانی شراب نئی بوتل میں پیش کی ہے، لیکن فی الحقیقت نئی شراب کے لئے پرانی بوتل استعمال کی گئی ہے۔ بانگِ درا کے مشہور دیباچہ میں شیخ صاحب نے جائز فخر سے لکھا تھا کہ مخزن کے پہلے پرچے (۱۹۰۱) سے اقبال کی شاعری کا آغاز ہوا جبکہ اقبال کی نظم "ہمالیہ" شیخ صاحب نے باصرار حاصل کر کے شائع کی۔ اقبال کی شاعری اور مخزن دونوں ہم عمر ہیں لیکن مخزن کا دوبارہ نہ دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ہم عمر سفرِ زندگی میں برعکس سمتوں کی جانب چل نکلے۔ کوئی نصف صدی پیشتر اقبال نے "عبدالقادر کے نام" یہ دعوت بھیجی تھی کہ

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر\
بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں

اس نصف صدی کے عرصہ میں افقِ خاور کی یہ ظلمت کہاں سے کہاں پہنچی، اور عبدالقادر نے اسے مبدل بہ اجالا کرنے میں کیا کچھ کیا؟ یہ سوالات الگ ہیں۔ لیکن "شاعرِ فردا" کی نوا آج بھی گونج رہی ہے کہ

مدیرِ مخزن سے کوئی اقبال جا کے میرا پیام کہہ دے\
جو کام کچھ کر رہی ہیں قومیں انہیں مذاقِ سخن نہیں ہے

ماہنامہ اسلامک ریویو

اسلامک ریویو، مخزن کی طرح پرانا ماہنامہ ہے اور اس سال سے یہ بھی نئے لباس میں جلوہ گر ہوا ہے۔ مخزن کی بادِ سموم کے بعد اسلامک ریویو پہلے [?] نظر بادِ نسیم سے کم نہیں۔ یہ رسالہ لندن میں چھپتا ہے اور لندن جیسے مرکزی مقام میں طباعت کی آسانیوں اور دیدہ زیبیوں کے علاوہ معلومات کی فراوانی اور نگاہ کی کشود کے جو مواقع میسر آ سکتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اسلامک ریویو بہت حد تک ان خوبیوں کا حامل ہے۔ اسلامک ریویو اس نئے دور میں وہ "مذہبی رسالہ" نہیں رہا جیسا کہ اب تک وہ چلا آ رہا تھا بلکہ اب اسے "اسلامک ریویو" کے بجائے "اسلامک ورلڈ ریویو" کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ممالکِ اسلامیہ کے کوائف سے باخبر رہنے اور ان سے متعلق روزمرہ کی خبروں کا پس منظر جاننے میں اس مجلہ سے کافی مدد مل سکتی ہے۔ لیکن اسے سمجھ رکھئے کہ صرف "ممالکِ اسلامی" کے متعلق۔ نہ کہ اسلام کے متعلق۔

سالانہ چندہ -/۸/۱۲ روپیہ ہے اور عام بک اسٹالوں کے علاوہ مندرجہ ذیل پتہ سے براہ راست مل سکتا ہے۔ اسلامک ریویو، عزیز منزل، برانڈرتھ روڈ۔ لاہور۔

نظامِ نو مصنفہ عبدالوحید خاں۔ ملنے کا پتہ:۔ پبلشرز یونائیٹڈ۔ چوک انارکلی لاہور۔
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

زمانِ اشاعت کے اعتبار سے "نظامِ نو" عبدالوحید خاں صاحب کی نئی تصنیف ہے لیکن درحقیقت یہ ان کی پرانی تصنیف "تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی" کا دیباچہ ہے جو اب اشاعت پذیر ہو سکا ہے۔ کتاب بقول مصنف

> اسلام کے سیاسی اور معاشی پروگرام پر مفصل بحث اور دیگر نظام ہائے رائج الوقت سے موازنہ، اس کی عملی حیثیت پر ماضی اور عہدِ حاضر کی روشنی میں بحث، خلافتِ راشدہ کے بعد اس کے انحطاط کے اسباب پر تنقید اور مسلمانوں کے علمی و تمدنی کارناموں کی مختصر توضیحات

ہے۔ ہمیں مصنف سے پورا اتفاق ہے کہ

> ضرورت ہے کہ مسلمان بالخصوص نوجوانوں کے سامنے پوری جرأت کے ساتھ ان کی صحیح تاریخ پیش کر دی جائے اور ان غلطیوں کو آشکارا کیا جائے جن کی وجہ سے وہ اسلام سے دور ہو چکے ہیں۔

لیکن "صحیح تاریخ" کو "پوری جرأت سے پیش" کرنے اور ماضی کی غلطیوں کو "آشکارا" کرنے کے لئے کسی عالی ہمت اہلِ جنوں کی ضرورت ہے ــــ اور بدقسمتی سے

> اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

مصنف نے بعض مقامات پر روش عام سے غیر شعوری طور پر متاثر ہو کر ٹھوکریں بھی کھائی ہیں لیکن ان کی کوشش اور کاوش بہرحال قابلِ داد ہے۔ ان کی تحریر سے خلوص اور تڑپ نمایاں ہے اور یہی اس کتاب کا طغرائے امتیاز ہے۔

سلطنتِ یہود اور قرآن[1]

(حکیم محمد حسین صاحب عرشی - دار القرآن - لاہور)

اس مضمون میں قرآن مجید اور صحفِ اولیٰ کی روشنی میں امور ذیل پر غور کیا گیا ہے:۔

فہم قرآن ۔ یہود کے جرائم و عواقب ۔ مسلمانوں کے بچاؤ کی صورت ۔ تشریحِ قیامت ۔ برزخ ۔ صحفِ اولیٰ میں قیامتِ یہود ۔ تابعینِ مسیح اور یہود ۔ ہلاکتِ اقوام کا قانون ۔ تصویرِ یہود کا دوسرا رخ ۔ صحفِ اولیٰ میں بقاءِ یہود ۔ موجودہ مسلمان ۔ وغیرہ ۔

تمہید جن دنوں مولانا شبلی نعمانی زندہ تھے اور علمی دنیا ان کی شعر العجم کے حصوں کا یکے بعد دیگرے پرتپاک انتظار اور خیر مقدم کر رہی تھی۔ میرا ادبی ذوق بھی اپنے عنفوان کی منزلیں عاشقانہ جوش سے طے کر رہا تھا۔ دن بھر اپنے شغل میں صرف کرتا اور شام کے بعد شعر العجم کی تازہ جلد لئے ہوئے گھر کے سامنے کی پرسکون سڑک پر ٹہلتے ہوئے چاند کی روشنی میں مطالعہ کرتا۔ آنکھوں کی صحت اور نگاہ کی تیزی کا ایک یہ بھی عالم تھا۔ میں نے کئی کتابیں چاندنی راتوں میں پڑھیں ـــــ اور آج تین نمبر کی عینک لگا کر بھی کتاب کے حروف تو کجا بعض اوقات راہ کے نشیب و فراز کو دیکھنے میں غلطی کرتا ہوں اور ٹھوکریں کھاتا ہوں ـــــ کیا اس کا یہ سبب ہے کہ سورج یا چاند کے اندر روشنی دینے والا روغن کم ہو گیا ہے، جس کی وجہ سے روشنی اور چاندنی مدہم ہوتی جا رہی ہے؟ ـــــ نہیں، کوئی ہوش مند یہ خیال نہیں کر سکتا۔ دراصل قصور میری نگاہ کا ہے، میری چشمِ بینا کے پیچھے جو روغن روشنی دے رہا تھا وہ کم ہو رہا ہے۔

فہم قرآن کسی عشق و عقیدت یا جانب داری کی وجہ سے نہیں، طویل تجربہ و مطالعہ کی بنا پر پورے وثوق و یقین سے میں یہ کہنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ میں نے قرآن مجید کو ایسا ہی پایا ہے۔

نبود نقطہ از علم ایں کتاب غلط   کہ فہم ناقص ما کرد انتخاب غلط   (بیدلؔ)

---

[1] اس موضوع پر ایک مضمون اپریل ۱۹۶۸ء کے طلوعِ اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں بعض مزید دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ قرآن میں تدبر کرنے والے حضرات مقدس تقلید کی عینک اتار کر ان پر غور کریں۔

اگر آج اس کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تو اس کے دو ہی سبب ہیں :-

۱ ــــ یا تو عقل نے اس کو سمجھنے میں غلطی کی ہے، وہ کچھ اور کہہ رہا ہے اور عقل خارجی موثرات (روایات تفاسیر، تصوف وغیرہ) کی عینک لگا کر کچھ اور دیکھ رہی ہے۔

۲ ــــ یا پھر عقل ابھی اس مقام کے فہم سے بہت نیچے ہے، جہاں سے قرآن بول رہا ہے۔ یہ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد جب وہاں پہنچے گی تو آج جس چیز کو مستبعد سمجھ رہی ہے، اسی کو حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی۔

لیکن اس کے لئے ضرورت ہے مجاہدانہ سعی، قلب سلیم اور خلوص و تقویٰ کی۔ زبان دانی بے شک بڑی چیز ہے، لیکن صرف زبان تو ابولہب و ابوجہل کے بھی گھر کی کنیز تھی۔ پھر وہ اس صداقت سے کیوں محروم رہے جن کو صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ جیسے غیر اہل زبان نے پالیا؟ ان میں کمی تھی انہی صفات کی جو عرض کر رہا ہوں۔ اور یہ قرآن ہی کی فرمودہ ہیں :

۱ - مجاہدہ ــــ الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (عنکبوت ۷۰)

جو لوگ ہمارے لئے مجاہدانہ کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کی رہنمائی کریں گے۔

۲ - قلب سلیم من اتی اللہ بقلب سلیم۔ (شعراء ۹۰)

(نجات وہی پاتا ہے) جو معرفت الٰہی میں قلب سلیم سے کام لیتا ہے۔

۳ - تقویٰ واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ۔ (بقرہ ۸۳)

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دیں گے۔

موضوع کلام

اس مختصر تمہید کے بعد ہم اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس نے اس وقت اکثر طبائع کو پریشان کر رکھا ہے۔ ہم صدیوں سے بقول مفسرین قرآن مجید کا یہ فیصلہ سنتے آئے ہیں کہ یہودی قیامت تک مسند حکومت پر فائز نہیں ہوسکتے اور ہمیشہ ہمیشہ ذلیل و خوار اور مغضوب و محکوم ہی رہیں گے۔ یہ بات قرآن مجید کی سماویت اور آنحضرت صلعم کی صداقت کے دلائل میں سے ایک وزنی دلیل سمجھی جاتی رہی ہے ــــ لیکن آج طویل مدت کے بعد ہم سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہود ایک اہم خطۂ ارض پر مسلط ہیں اور اقوام عالم یکے بعد دیگرے اس تسلط کی تائید کرتی جارہی ہیں۔ اس سے لازمی طور پر ہمارے قدیم مستحکم عقیدے کو زبردست دھکا لگ رہا ہے۔ دن کو کسی تاویل سے رات ثابت کرنا اپنے آپ کو اندھا ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ خوش قسمتی سے قرآن مجید ہمارے پاس ایسی صورت میں محفوظ ہے کہ غیر مسلم بھی اس کی الہامیت نہیں تو حفاظت کے ضرور معترف ہیں۔ ہم اپنے تمام خیالات، مسموعات، روایات، تفاسیر وغیرہ سے خالی الذہن ہو کر خالص قرآن سے یہود یا بنی اسرائیل سے متعلقہ آیات پر غور کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس جستجوئے حقیقت کے

علمی سفر میں ہماری رہنمائی فرمائیں اور ہمیں اپنے حقیقی منشا سے اطلاع بخشیں۔ اس سلسلے میں ہم امکان بھر قرآن مجید کی موجودہ ترتیب کے مطابق اول سے آخر کی طرف بڑھتے چلیں گے۔ انشاء اللہ

جرائم یہود کی فہرست

بقرہ میں

سب سے پہلے ہمارے سامنے سورۂ بقرہ آتی ہے، جس میں بنی اسرائیل کا مفصل ذکر ہے۔ اس میں ان کے بہت سے جرائم بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً ۱ — اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچنا۔ ۲ — حق و باطل کو ملا کر پیش کرنا ۳ — حق کو بالکل ہی چھپائے رکھنا ۴ — لوگوں کو نیک بننے کی دعوت دینا اور خود نیکی سے بے رغبت رہنا ۵ — گوسالہ پرستی پر اصرار ۶ — ایمان لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی شرط لگانا ۷ — جان بوجھ کر صحیح لفظوں کو بگاڑنا، جیسے "حطہ" کو "حنطہ" کردینا ۸ — ملک میں فساد پھیلانا، اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ نعمتوں کی بے قدری کرنا اور ادنیٰ چیزوں کی گستاخانہ خواہش کرنا ۱۰ — آیتوں کا انکار ۱۱ — انبیاء کا قتل ۱۲ — سبت میں زیادتی ۱۳ — ذبح بقرہ کے حکم میں حیلے بہانے کرنا ۱۴ — دلوں کا پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہوجانا ۱۵ — کلام الٰہی میں تحریف کرنا ۱۶ — جاہلانہ جادو اور ظنی باتوں میں مگن رہنا ۱۷ — اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو صحیفہ الٰہی کہہ کر پیش کرنا ۱۸ — توحید سے اعراض ۱۹ — حقوق والدین سے بے پروائی ۲۰ — قول حسن یا شریفانہ گفتگو سے اغماض ۲۱ — اکثریت کا ان عیوب میں مبتلا ہونا اور نماز و روزہ سے غافل رہنا ۲۲ — اپنے عزیزوں کو قتل کرنا اور گھروں سے نکال دینا ۲۳ — کتاب اللہ کے کسی حصے کو ماننا اور حسب خواہش کسی حصے کا انکار کردینا ۲۴ — اپنے دلوں پر غلاف ہونے کو بطور فخر بیان کرنا ۲۵ — زندہ رہنے کی بہت زیادہ حرص کرنا ۲۶ — کتاب اللہ کو پس پشت پھینک دینا ۲۷ — برائی کو پیشہ بنا لینا اور خطاؤں کی کثرت میں محصور ہوجانا۔

آل عمران میں

اس کے بعد سورۂ آل عمران میں ان کے جرائم کی فہرست حسب ذیل ہے — ۱ — ان میں اکثر فاسق ہیں — ۲ — مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے ہیں — ۳ — نبیوں کو قتل کرتے ہیں — ۴ — آیتوں سے انکاری ہیں — ۵ — نافرمان ہیں — ۶ — حد سے گذر چکے ہیں۔ ۷ — ان کے منہ سے بغض کی باتیں نکل رہی ہیں اور دلوں کے کھوٹ اور بھی زیادہ ہیں۔

مائدہ میں

اس کے بعد سورۂ مائدہ کا نمبر آتا ہے۔ اس سورہ میں یہود کے مذکورہ بالا معائب بیان کرکے فرماتے ہیں کہ وہ گناہ اور حرام خوری میں بہت جلدی کرتے ہیں اور کہتے ہیں "خدا کا ہاتھ تنگ ہے"۔ اور قرآن کو سن کر ان کا کفر و طغیان اور بڑھ جاتا ہے۔

جرائمِ یہود کے عواقب

پاداش بقرہ، آلِ عمران اور مائدہ ہی میں جہاں یہود کے معاصی بیان فرمائے ہیں وہاں ساتھ ہی ساتھ ان کے نتائج و عواقب بھی واضح کر دیئے ہیں۔ مثلاً — ۱ — ان پر آسمانی عذاب آئے — ۲ — وہ ذلت و مسکنت اور غضبِ الٰہی میں گرفتار ہوئے — ۳ — انسانیت سے گر کر ذلیل بندروں کے درجے میں آ گئے — ۴ — دنیوی سزاؤں کے علاوہ آخرت کے آتشیں عذاب کا لقمہ بنے — ۵ — دنیا میں رسوا ہوئے اور پیشی کے دن سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے گئے — ۶ — اللہ تعالیٰ کا بابرکت وعدہ ظالموں کو نافع نہیں ہوتا — ۷ — انکار کرنے والوں کو بھی دنیا کا تھوڑا فائدہ پہنچ جاتا ہے، لیکن آخر وہ آتشیں عذاب کی طرف بے بس ہو جاتے ہیں۔ (بقرہ) — ۸ — مقابلے میں اگر مسلمانوں سے پیٹھ پھیر جاتے ہیں — ۹ — جہاں کہیں بھی ہوں ذلیل ہی رہیں گے، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد کا پاس کریں اور لوگوں سے عہد و پیمان کر لیں — ۱۰ — اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہوئے اور مسکنت میں دب گئے (آلِ عمران) — ۱۱ — مسیحؑ کے پیرو اس کے مخالفوں پر قیامت تک فائق رہیں گے — ۱۲ — ان میں قیامت تک بغض و عداوت کا سلسلہ دراز کر دیا گیا۔ (مائدہ)

قانونِ مکافات اگر ایک بیج قطعی طور پر وہی درخت پیدا کرتا ہے جس کا وہ بیج ہے، اگر آغازِ آفرینش سے آج تک اس کلیے میں کوئی استثناء پیدا نہیں ہو سکی تو کیا اعمال جو مادی بیجوں سے بہت زیادہ قوی ہیں اور خیالات جن کی تخلیق و مظاہر سے انسانی دنیا معمور ہے، علت و معلول کے ابدی قانون کی گرفت سے نکل جائیں گے؟ آپ صرف ایک لمحہ کے لئے اس کا تصور کر کے دیکھیں — بارش ہو رہی ہے لیکن کھیت سیراب نہیں ہوتا۔ روٹی کھاتے ہیں، بھوک نہیں مٹتی۔ ایندھن جل رہا ہے اور ہنڈیا اسی طرح ٹھنڈی ہے۔ تیز گاڑی پر سوار ہیں اور سفر قطع نہیں ہو رہا — کیا اس طرح یہ سارا کارخانہ چند لمحوں میں ختم ہو کر نہیں رہ جائے گا؟ اگر یہ مسلم ہے اور یقیناً مسلم ہے تو جس قوم میں من حیث القوم برائیوں کا اتنا انبوہِ کثیر بیک وقت جمع ہو جائے وہ خدا کے دوست ابراہیمؑ یا یعقوبؑ ہی کی اولاد کیوں نہ ہو، کوئی قوت اس کو ذلت و خواری سے بچا سکتی ہے؟ اور کیا ہم کو یہ باتیں محض ایک تاریخی کہانی کے طور پر دل بہلانے کیلئے سنائی جا رہی ہیں یا اس کا کچھ مقصد بھی ہے؟ اور کیا یہ مختص بالقوم چیز ہے یا عام قانون؟ ان سوالات کا جواب ہر شخص اپنے قلب و ضمیر سے حاصل کر سکتا ہے۔

بعض خاص باتیں اوپر جو جرائم و عواقب بیان ہوئے ہیں ان میں چند باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ جرم ۱۱ میں ہے کہ یہود کی اکثریت مذکورہ جرائم میں مبتلا ہے اور تھوڑے لوگ

ایمان دارمی ہیں (منہم المومنون واکثرہم الفاسقون۔ بقرہ ۱۱۰) اور "عواقب" میں ترتیب عـ۳ و مـ۴ دیلا و علا کو دیکھئے — منکروں کو دنیا کا تھوڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے[۱]۔ (ومن کفر فامتعہ قلیلا۔ بقرہ ۱۲۶) یہ بوہ الہی عہد (صحف مقدسہ) اور انسانی روابط کے ذریعے مذکورہ سزاؤں سے بچ سکتے ہیں۔ (آل عمران ۱۱۲) سے ذکح کل امریکہ اور روس باہمی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ لیکن یہود کا قول و تدبیر دونوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔) پیروان مسیح قیامت تک مخالفین پر فائق رہیں گے۔ ان میں قیامت تک بغض و عداوت قائم رہے گی — دو موخر الذکر حوالوں میں "قیامت" قابل غور ہے، آئندہ سطور میں اس کی وضاحت ملے گی۔

مسلمان بچ سکتے ہیں مسلمان یہود کی ایذا رسانیوں، مکاریوں، عالم گیر سازشوں اور سخت شرارتوں سے جب ہی بچ سکتے ہیں کہ ایک متحدہ ثابت قدمی اور تقویٰ شعاری کا محاذ قائم کریں۔

ان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدہم شیئا (آل عمران ۱۲۰)

اگر تم صابر و متقی بن جاؤ تو ان کی مکاریاں تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتیں۔

تقویٰ کے لفظ میں تمام مادی، اخلاقی اور روحانی تیاریاں داخل ہیں جن کے ذریعے سے فرد یا جماعت انسانی اور شیطانی حملے سے محفوظ رہ سکے — صبر و تقویٰ کی جو تفصیلات قرآن نے بیان فرمائی ہیں اور جن کا ثبوت انبیاء کرام اور ان کے صحابہ کبار کی زندگیوں میں ملتا ہے، افسوس ہے کہ اس وقت ساری دنیا کے مسلمان عموماً اور عرب خصوصاً اس سے بالکل یا بڑی حد تک محروم ہو چکے ہیں۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے مقابلے میں سیئات میں پیچھے اور حسنات میں آگے ہیں۔

قیامت تک

اعراف میں سورہ اعراف ہمارے غور و تحقیق کا مرکزی مقام ہے۔ سلسلہ بیان "سبت" میں یہود کی زیادتی سے شروع ہوتا ہے، اس کے بعد ان کی تین پارٹیوں کی الگ الگ خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

۱— وہ لوگ جو فسق و فجور میں ڈوب رہے ہیں۔ (آیت ۱۶۴)

۲— وہ لوگ جو ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (آیت ۱۶۵)

۳— وہ لوگ جو ناصحوں کو نصیحت سے روکتے ہیں۔ (آیت ۱۶۵)

اس ہنگامے کا نتیجہ یہ ہے کہ ناصحین کو نجات دی جاتی ہے، باقی لوگ عذاب کی لپیٹ میں

---

[۱] ممکن ہے کہ موجودہ حکومت یہود اسی قبیل سے ہو اور اس "تھوڑے فائدے" کی صحیح مقدار کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

آجاتے ہیں۔ (آیت ۱۶۶) اور بندروں کی سی ذلیل و خوار زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں (آیت ۱۶۷)۔
اس بیان واقعہ کے بعد ان کے مستقبل کا پروگرام بتایا ہے۔

۱ ــــ واذ تاذن ربک لیبعثن علیھم الی یوم القیامۃ من یسومھم سوء العذاب، ان ربک لسریع العقاب وانہ لغفور رحیم۔ (آیت ۱۶۸)

۲ ــــ وقطعناھم فی الارض امماً منھم الصالحون ومنھم دون ذالک وبلوناھم بالحسنات والسیئات لعلھم یرجعون۔ (آیت ۱۶۹)

ترجمہ۔ اور جب تیرے پروردگار نے (بنی اسرائیل) کو مطلع کر دیا کہ وہ ضرور ان پر قیامت کے دن تک ایسے حاکم مسلط رکھے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں پہنچاتے رہیں گے۔ بیشک تیرا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے۔

اور ہم (خدا) نے بنی اسرائیل کو گروہ گروہ کر کے ملک کے اطراف وجوانب میں پراگندہ کر دیا۔ ان میں سے بعض نیک ہیں اور بعض نیک نہیں۔ اور ہم نے ان کو دکھ سکھ دونوں طرح سے آزمایا تاکہ وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوں۔

ان آیتوں میں چند لفظ ہماری فکر کا محور ہیں۔
یوم القیامۃ۔ سریع العقاب۔ غفور رحیم۔ الصالحون۔ بلوناھم۔ لعلھم یرجعون۔

قیامۃ

اس بحث میں سب سے اہم چیز قیامت ہے۔ قیامت کا جو مفہوم عام طور پر سمجھا گیا ہے وہ صحیح تو ہے، لیکن کتاب اللہ کے عمیق مطالعہ سے یہ حقیقت یقین کے درجے پہنچ جاتی ہے کہ یہ لفظ اور اس کے مرادفات اپنے مروجہ مفہوم میں محدود نہیں بلکہ اس کا اطلاق اس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ بزرگان سلف میں سے بعض خواص نے بھی آیات کتاب سے ایسا ہی سمجھا ہے۔ (کما سیاتی) قرآن پاک نے مفہوم قیامت کو مختلف مقامات پر اس کے مختلف صفات کے لحاظ سے مختلف الفاظ واسالیب میں ظاہر کیا ہے۔ مثلاً

۱ ــــ سرعت حساب کے لحاظ سے "الساعۃ" کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء میں ایک السریع بھی ہے جو چھ مرتبہ حساب اور عقاب کی طرف مضاف ہو کر آیا ہے، جیسے ان اللہ سریع الحساب۔ ان ربک لسریع العقاب وغیرہ۔ یعنی حساب اور عذاب دونوں ہی بالکل نزدیک ہیں۔ بلکہ ایک جگہ تو "اسرع الحاسبین" کہہ کر اس نزدیکی کو اتنا نزدیک تر، جلد تر، اور تیز تر کر دیا ہے، جس کی کوئی دوسری مثال نہیں۔

۲ ــــ انسان کے دفعتاً اٹھ کھڑے ہونے کی وجہ سے "قیامۃ" فرمایا (یوم یقوم الناس لرب العالمین۔

یوم تقوم الساعۃ)۔ اصل لفظ قیام ہی ہے "ھا" اس کے دفعۃً واقع ہونے کے لئے تنبیہاً لائی گئی ہے۔

۳ ـــ بعض جگہ اس کی صفت "قائمۃ" لائی گئی ہے۔ ما اظن الساعۃ قائمۃ (حم۔ ۵۰)

۴ ـــ سختی، شدت اور ہول ناکی کے لحاظ سے "القارعۃ" آیا ہے۔

۵ ـــ ثابت شدہ حقیقت ہونے کے خیال سے "الحاقۃ" کہا گیا ہے۔

۶ ـــ بہت نزدیک ہونے کے سبب سے "الآزفۃ" فرمایا ہے۔ وغیرہ ذالک۔

یہاں تک تو مفرد الفاظ کا ذکر تھا۔ کئی جگہ مختلف قسم کے جملوں میں اسی معنی کو وضاحت سے بیان فرمایا، جن کی مثالیں آگے آتی ہیں۔ قلت گنجائش کے پیش نظر ہر موقع پر قلم کو روک کر آگے چلنا پڑتا ہے، ورنہ یہ موضوع ایک مستقل مقالے کا متقاضی ہے۔

اقسام قیامہ

قرآن عزیز سے قیامت[1] کی تین قسمیں مفہوم ہوتی ہیں۔ صغریٰ، وسطیٰ اور کبریٰ۔ ایسا ہی امام راغب نے سمجھا ہے۔

الساعات التی ھی القیامۃ ثلاثۃ۔ الساعۃ الکبریٰ وھی بعث الناس للمحاسبۃ۔۔۔ والساعۃ الوسطیٰ وھی موت اھل القرن الواحد۔۔۔ والساعۃ الصغریٰ وھی موت الانسان فساعۃ کل انسان موتہ وھی المشار الیھا بقولہ تعالیٰ

قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ حتی اذا جاءتھم الساعۃ بغتۃً (انعام۔ ۳۲)

قیامت کبریٰ میں تو کسی کو اختلاف نہیں۔ اب رہی "وسطیٰ" تو یہ ایک صدی کے لوگوں کی موت کو کہتے ہیں اور "صغریٰ" ہر انسان کی الگ الگ موت ہے۔ پس ہر انسان کی قیامت اس کی موت ہے جیسا کہ آیت میں ہے۔

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا وہ خسارے میں رہے۔ یہاں تک کہ (قیامت یا موت کی) گھڑی نے اچانک ان کو آ لیا۔ (مفردات راغب زیر لفظ ساعۃ)

انفرادی قیامت کا ثبوت اس سے زیادہ واضح آیہ ذیل سے ملتا ہے۔

وکلھم اٰتیہ یوم[2] القیٰمۃ فردا (ط۔ ۹۵)

ہر شخص پیشی کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور اکیلا ہی آئے گا۔

---

[1] قرآن کریم کی رو سے "قیامت" کا مفہوم متعین کرنے کا مسئلہ بڑا اہم اور غور طلب ہے جسے اس طرح ضمنی طور پر پیش کیا جا سکتا ہے نہ سمجھا جا سکتا ہے۔ ہمیں فرصت ملی تو اس عنوان (اور اس کے تضمنات) پر کسی وقت تفصیلی گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ (طلوع اسلام)

[2] عام طور پر "یوم القیامۃ" سے ایک خاص دن سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد ہر گروہ یا شخص کا الگ الگ یوم ہے۔ قرآن مجید میں کھالوں کے خیموں کا ذکر کر کے فرماتے ہیں تستخفونھا یوم ظعنکم ویوم اقامتکم (نحل۔ ۸۱) (باقی پھر آئندہ)

جو زلزلہ نوع انسان کے خاتمے کے وقت قیامت کبریٰ کی صورت میں آئے گا، اس کا اثر صرف اس وقت کے زندہ و موجود لوگوں پر ہوگا، وہی اس کو دیکھ رہے ہوں گے۔

یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملھا... (حج-۲)

انہی لوگوں کی دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور انہی کی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔ بے شمار لوگ جو پہلے اس عالم میں پہنچ چکے ہیں وہ ان اثرات سے الگ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جو بہت جلد حساب لینے والا (اسرع الحاسبین) ہے، ایسا نہیں کریگا کہ متاخرین کو فوراً عالم آخرت میں لے جائے اور متقدمین کو بلاوجہ لاکھوں سال تک روکے رکھے۔ چنانچہ مخالفین نوح کا انجام دیکھئے،

جماعتی قیامت

مما خطیئٰتھم اغرقوا فادخلوا نارا۔ (نوح-۲۵)

وہ اپنی خطاؤں کے سبب غرق کئے گئے اور آگ میں داخل کر دیئے گئے۔

یہاں "ادخلوا نارا" "اغرقوا" ہی کی طرح ماضی واقع ہوا ہے، جس کو کسی تحقق وقوع کی قسم کے تکلف سے مستقبل نہیں بنایا جا سکا۔ یہ قیامت وسطیٰ یا جماعتی قیامت کی مثال ہے۔ لوط و نوح علیہما السلام کی خائنہ بیویوں کے متعلق بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قیامت ہو چکی۔

وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔ (تحریم-۱۰)

ان دونوں کو کہہ دیا گیا کہ دوسرے دوزخیوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ۔

یہاں "داخلین" کا لفظ شہادت دے رہا ہے کہ دوزخی دوزخ میں داخل ہوتے ہی رہتے ہیں۔

شخصی قیامت

سورۃ یٰسین میں ایک توحید کے مصداق اور شرک سے بیزار شخص کا انجام الفاظ ذیل میں بیان فرمایا ہے۔

قیل ادخل الجنۃ قال یٰلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین۔ (آیت ۲۶، ۲۷)

اس کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی، اس نے کہا کاش میری قوم کے لوگ میرے رب کی بخششوں اور نوازشوں کو جان سکتے جن سے مجھے نوازا گیا!

یہ شخصی قیامت کی مثال ہے، وہ شخص جنت میں جا چکا، بخشش و انعام حاصل کر رہا ہے حالانکہ اس کی قوم

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) تمام خیموں کو اپنے سفر کے دن اور اپنی اقامت کے دن ہلکا پاتے ہو۔ اب کیا ساری دنیا کے سفر یا اقامت کا کوئی ایک دن مقرر ہے؟ قیامت تو پھر بھی محدود زمانے کا نام ہے قرآن اور محاورہ عرب نے "ابد" ایسے غیر محدود المدت لفظ کو بھی محدود کر دیا ہے۔ فقل لن تخرجوا معی ابدا۔ (توبہ-۸۳) ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدا۔ (توبہ-۸۴) وغیرہ ذالک من الآیات۔

ابھی زمین پر موجود ہے۔

سورۂ آل عمران میں شہداء کا ذکر آتا ہے۔

وہ زندہ ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے رزق مل رہا ہے اور جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہے اس پر خوش ہیں (فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ) اور جو لوگ ان کے پیچھے موجود ہیں اور ابھی (شہید ہو کر یا مر کر) ان سے نہیں ملے، ان (کی امید ملاقات) کے متعلق خوشیاں مناتے ہیں۔ (۱۶۸ تا ۱۷۱)

اس آیت سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا و عقبیٰ کا کاروبار بیک وقت چل رہا ہے اس بات کا ہرگز انتظار نہیں کہ پہلے دنیا کا خاتمہ کر دیا جائے اور پھر عقبیٰ کا افتتاح کیا جائے۔

برزخ یہ گفتگو تشنہ رہ جائے گی اگر اس کے ساتھ "برزخ" کی طرف بھی اشارہ نہ کر دیا جائے۔ قرآن پاک میں برزخ کا ذکر موت کے بعد صرف ایک جگہ آیا ہے، اس کو سیاق و سباق سے الگ کر کے جو تشریحیں کی گئی ہیں وہ قابل قبول نہیں، آیت برزخ کے اوپر مشرکوں اور ظالموں کا ذکر چل رہا ہے، جب ان میں سے کسی کی موت آتی ہے تو وہ دنیا میں پھر آنے کی خواہش کرتا ہے تاکہ اب کے کچھ ذخیرہ عمل تیار کر سکے۔ جواب ملتا ہے: "یہ صرف اس کے کہنے کی بات ہے۔

ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون۔ (مومنون۔ ۱۰۱)

یعنی ان (ظالموں اور مشرکوں) کے آگے پیشی کے دن کی طرف پردہ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی آگے نفخ صور، قطع علائق، نیکوں کی کامیابی، بدوں کے خسارے اور داخلہ جہنم کا ذکر چل پڑتا ہے۔ اس سے اور اوپر کے بیانات سے معلوم ہوا کہ شہدا و صالحین کے لئے کوئی برزخ نہیں کیونکہ وہ پہلے سے عالم آخرت پر یقین رکھتے ہوئے، اس کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ادھر سے بھی ان کے ساتھ خیر مقدم اور رفق و مدارات کا معاملہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس فساق و فجار دنیا میں منہمک ہوتے ہیں۔ نزع کے وقت بھی دنیا ہی کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں اور عالم آخرت ان کی توقعات کے خلاف اچانک اپنی تمام ہولناکیوں سمیت سامنے آموجود ہوتا ہے، ان پر ایک ہنگامی دہشت اور غشی طاری ہو جاتی ہے، جس کے سبب عذاب کا احساس بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی حالت میں بلاوا (نفخ صور) ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو مبتلائے عذاب پاتے ہیں۔ ہماری تحقیق میں برزخ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

صحف اولیٰ اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہود کی مختلف امتوں کی قیامت ان کے اپنے اپنے زمانوں میں ان کے اعمال کے مطابق ہوتی رہی ہے۔ ان کو دنیوی اور اخروی سزائیں ملتی رہی ہیں۔ تفصیل کے لئے تاریخ یہود کے علاوہ صحف اولیٰ کے مندرجہ ذیل حوالے دیکھے جا سکتے ہیں۔

خروج باب ۲۰ آیت ۵ و ۶ — احبار باب ۲۶ آیت ۱۴ تا ۴۰ — گنتی باب ۱۲ آیت ۳۳ — استثنا باب ۲۸ آیت ۱۵ تا آخر — نیز باب ۳۲ آیت ۲۱ تا ۲۷ — یسعیاہ باب ۵ آیت ۲۵ تا ۳۰، باب ۸ آیت ۹ تا ۱۷، باب ۱۴ آیت ۲۰ تا ۳۲، باب ۱۵ آیت ۱ تا ۹، باب ۲۸ آیت ۱۲ تا ۲۲ — یرمیاہ باب ۴ آیت ۲۷ تا ۳۱، باب ۵ اول سے آخر تک، باب ۷ آیت ۱۹ تا ۲۰۔

تاثر ان چودہ حوالوں میں عموماً تین قسم کا انداز بیان اختیار فرمایا ہے۔ کہیں سخت تخویف و تہدید کے رنگ میں لرزہ افگن اور مہیب پیش گوئیاں کی ہیں، جن کا وقوع عموماً ہو چکا ہے۔ کہیں عبرت و موعظت کے لئے گزشتہ ہولناک مصائب کا ذکر ہے، اور کہیں گزرتے ہوئے قیامت آفریں حالات کی تصویر کھینچی ہے۔ کاش ان طویل بیانات کا کچھ حصہ یہاں پیش کیا جا سکتا جن میں ترجمہ در ترجمہ ہو جانے کے بعد بھی یہ تاثیر باقی ہے کہ دورانِ مطالعہ میں بارہا مجھ پر رقت طاری ہوئی، اور میں اپنی تنہائی کے لمحات میں اپنے اشک و آہ پر بالکل قابو نہیں رکھ سکا۔ مجھے ہر مقام پر ایسا محسوس ہوا کہ یہ صفحات پر بکھری ہوئی نیائیں میرے اندر سیلابی جاری ہیں یا میں ان کے اندر ڈوبنے سے بچنے کے لئے مضطربانہ ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں۔ انسان کی غیر انسانی حرکات اور اللہ تعالیٰ کے قانونِ مکافات سے ایسے حوادث کا امکان کسی وقت بھی بعید نہیں۔

پیروانِ مسیح اور یہود یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورہ آلِ عمران کی آیت ذیل کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔

اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی . . . . وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامہ (آیت ۵۵)

جب اللہ تعالیٰ نے کہا "اے عیسیٰ . . . . میں تیرے پیروؤں کو انکار کرنے والوں پر قیامت کے دن تک فائق رکھوں گا۔"

تصریحات بالا کی روشنی میں مسیح کے حقیقی پیرو یہود کے مظالم سہنے کے بعد ان پر غالب آئے اور سب نے اپنی اپنی قیامت میں حصہ لیا۔

داخلی شہادتیں آیۂ "اذ تاذن ربک الخ" میں یوم القیامہ کے معنی قیامت کبریٰ کیوں نہیں اور قیامتِ وسطیٰ کیوں ہیں، اس کے خارجی ثبوت دیئے جا چکے، لیکن خود اس آیت کے اندر اور متصل ایسے شواہد موجود ہیں جو ہم کو ایسا سمجھنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

۱ — مثلاً جہاں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کو قیامت کے دن تک موردِ عذاب بنائے رکھیں گے وہاں ساتھ ہی اپنی صفت "سریع العقاب" قرار کر بتا دیا کہ قیامت کو دیر نہیں۔ عقاب یا عاقبت ساتھ ہی

لگی ہوئی ہے۔ اگر عمل اور اس کے نتیجہ یا عقاب کا فاصلہ لاکھوں سال ہو تو وہ اس عمل کا حقیقی اور براہ راست نتیجہ نہیں کہلا سکتا۔

۲ ـــــ اس کے بالکل متصل "وانہ لغفور رحیم" وارد ہوا ہے ـــــ ایک قوم جس کی نسل در نسل کے لئے قطعی طور پر ابدی عذاب کا فیصلہ صادر ہو چکا ہو اس کو "غفران و رحمت" کی بشارت سنانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قیامت وہ نہیں جو عام طور پر سمجھی گئی ہے، اور ابھی اس قوم کے لئے موقع ہے کہ "مغفرت و رحمت" کے لائق بن سکے۔

۳ ـــــ اس کے ساتھ ہی اگلی آیت میں جہاں یہ ذکر ہے کہ "ہم نے ان کے گروہ گروہ کر کے ملک کے اطراف و جوانب میں پراگندہ کر دیا"، وہاں ان کی اخلاقی اور دینی حالت پر بھی تبصرہ فرمادیا۔

منهم الصالحون ومنهم دون ذالك

یعنی ان میں اہل صلاحیت بھی موجود ہیں اور غیر اہل صلاحیت بھی۔

اس خداوندی اعتراف کے ہوتے ہوئے کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ من حیث القوم سب کے سب نسل در نسل قیامت کبریٰ تک قطعی طور پر مغضوب و مخذول رہیں گے اور اس کے بعد ابدی جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔

۴ ـــــ پھر اسی آیت میں ہے کہ ہم (خدا) نے ان کو دکھ اور سکھ کی آزمائش میں میں ڈال دیا (بلوناھم) اگر اوپر کی آیت کو بقول عامۃ المفسرین یہود کے حق میں آخری فیصلہ سمجھ لیا جائے تو اس کے بعد آزمائش کا کونسا موقع رہ جاتا ہے؟ جب ایک طالب علم قطعی طور پر نالائق اور فیل قرار پاچکا تو اس کو امتحان میں بیٹھنے کا موقع کیوں دیا جا رہا ہے؟ اور آزمائش کا ذریعہ حسنات و سیئات یعنی سکھ اور دکھ قرار دیا ہے۔ مطلب یہ کہ نعمت و حکومت دے کر بھی اور غیر اقوام کی محکومی میں مبتلا کر کے بھی انہیں آزمایا جائے گا کہ مسلمانوں کو حکومت دیکر نہیں کہا گیا تھا "لننظر کیف تعملون" (یونس ۱۵) ہم (خدا) تمہارے اعمال جائزہ لیں گے؟ یہی الفاظ یہود کے حق میں کہے تھے "فینظر کیف تعملون" (اعراف - ۱۳۰)۔ دوسرے کیا سارے ہی انسانوں کے لئے یہ قانون نہیں ہے لیبلوکم ایکم احسن عملا (ملک - ۲) تاکہ تمہارا رب تمہارا امتحان لے کہ تم میں کون نیکوکار ثابت ہوتا ہے؟

۵ ـــــ آیت کا آخری ٹکڑا ہے "لعلھم یرجعون" یہ ابتلا اور دکھ سکھ اس لئے ہے کہ یہود (راہ ہدایت کی طرف) رجوع کریں ـــــ یعنی ان کے رجوع کے امکانات کم از کم اس وقت تک ختم نہیں ہوئے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی جو اوپر کی فیصلہ کن سمجھی جانے والی آیت سے یقیناً بعد اتری ہے۔ (اعراف ۱۶۸ و ۱۶۹)

قطع دابر

قرآن پاک اور عقل سلیم کے فتویٰ سے ایک اور ناقابل شکست اصول سمجھ میں آرہا ہے کہ جب کوئی قوم من حیث القوم اپنی تمام صلاحیتوں کو کھو دیتی ہے تو زمین سے اس کا خاتمہ کردیا جاتا ہے، کیونکہ اس آخری درجے کے مریض کو یہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لٹکائے رکھنا اس کے لئے قطعاً مفید نہیں اور دوسرے صحت مندوں یا قابل شفا مریضوں کے لیے یقیناً مہلک حد تک خطرناک ہے۔ دعائے نوح "رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیاراً" میں ایسے ہی مرض کفر کے خطرناک مریضوں کو ختم کردینے کی التجا کی گئی ہے جو پوری ہوئی ــــ عاد، ثمود، قوم لوط، قوم صالح، آل فرعون وغیرہ کے حالات سے یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہوجاتی ہے کہ اب دنیا میں ایک فرد بھی نہیں جو اپنے آپ کو ان سے منسوب کرے۔

فھل تریٰ لھم من باقیۃ (الحاقہ-۹)

کیا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے۔

تبلیغ اور گرفت

قرآن مجید میں سابقہ امتوں کا ذکر فرمایا ہے، اس میں تبلیغ و انجام کے مدارج حسب ذیل بتائے ہیں:

۱ ــــ ہم نے ان کی طرف رسول بھیجے۔ (انعام-۴۲)

۲ ــــ رسالت کی توثیق کے لئے ان کو دکھ اور تکلیف میں مبتلا کیا۔ (ایضاً)

۳ ــــ مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے بشری عجز کو سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جھکیں (ایضاً)

۴ ــــ انھوں نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، بلکہ اور سخت دل ہوگئے اور اپنے شیطانی اعمال پر نازاں رہے۔ (آیت ۴۳)

۵ ــــ پیغام الٰہی کو قطعاً فراموش کردیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیوی آسائشوں کی بھول بھلیاں میں ڈال دیا۔ (آیت ۴۴)

۶ ــــ اب وہ عیش و نشاط میں مست پھرتے ہیں کہ اچانک پکڑ لئے جاتے ہیں اور یاس و نامرادی کے گرداب میں پھینک دیئے جاتے ہیں۔ (آیت ۴۵)

۷ ــــ اب آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ فقطع دابر القوم الذین ظلموا۔ (آیت ۴۶) ستم پیشہ لوگوں کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور نسل کا خاتمہ کردیا جاتا ہے۔

یہی قطع دابر کا فیصلہ مکذبین ہودؑ کے متعلق صادر ہوا ہے۔ (اعراف-۷۲) اس کے علاوہ بہت سی قوموں اور بستیوں کے متعلق "اھلکنا" اور "دمرنا" کہہ کر ان کے خاتمے کی خبر دی ہے، مثلاً قوم ثمود کے مفسد لیڈروں اور ان کے پیروؤں کا انجام فرمایا۔

انا دمرنٰھم وقومھم اجمعین (نمل-۵۱)

ہم (خدا) نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔

تصویر یہود کا دوسرا رخ

اس کے برعکس یہود یا بنی اسرائیل کے متعلق ہم دیکھ رہے ہیں کہ جہاں قرآن مجید ان کے جرائم و معاصی کی ایسی ایسی فہرستیں بیان کرتا ہے کہ کسی بدترین سے بدترین قوم میں بھی شاید اتنی رنگا رنگ برائیاں بیک وقت جمع نہ ہو سکیں، وہاں وہی قرآن اپنے زمانہ نزول میں، ایسے یہودیوں کی جماعتی حیثیت سے موجودگی کا فراخ دلانہ اعتراف بھی کرتا ہے، جو بدیوں کے نفور اور خوبیوں سے معمور ہیں۔ طویل سورۃ آل عمران کا کثیر حصہ یہود کے معائب و معاصی اور شقاوت و ضلالت کے بیان پر مشتمل ہے، لیکن اسی سنگلاخ وادی میں ایک نہایت شاداب خطہ بھی دکھائی دیتا ہے، جہاں مسافر تلاوت دم لینے کے لئے ٹھہرتا ہے اور روحانی آسودگی محسوس کرتا ہے۔ پڑھئے اور لطف اٹھائیے:

یہود صالح

لیسوا سواء ؕ ومن اھل الکتاب امۃ قائمۃ ــــ یتلون آیات اللہ آناء اللیل ــ وھم یسجدون ــــ یومنون باللہ والیوم الاخر ویامرون بالمعروف ــــ وینھون عن المنکر ــــ ویسارعون فی الخیرات ــــ من الصالحین ــ وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ ؕ ــــ واللہ علیم بالمتقین۔ (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۴)

ان آیات کا نتیجہ نکلا کہ ان میں،

۱ ــــ کچھ لوگ من حیث الجماعت حق پر قائم موجود ہیں۔

۲ ــــ راتوں کو تنہائی کے لمحات میں تورات مجید کی تلاوت کرنے والے۔

۳ ــــ تہجد گزار۔

۴ ــــ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانے والے۔

۵ ــــ بلندی کردار کی ترویج میں سرگرم۔

۶ ــــ ناشائستہ اعمال کو روکنے میں منہمک۔

۷ ــــ ذاتی طور پر نیکوکاری کی راہ میں تیز خرام۔

اس محنت کے نتیجے میں ان کو اسی سند ملتی ہے کہ

یہ لوگ صلاحیت والے ہیں۔ ان کی نیک عملی ضائع نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو جاننے والے ہیں۔ (اگرچہ وہ کیسی ہی عاصی و باغی قوم کے افراد ہوں)۔

اب آپ ہی فرمائیے قرآن مجید کسی انسان یا قوم سے اس سے زیادہ کیا مطالبہ کرتا ہے؟ جس جماعت نے یہ تمام مطالبے پورے کر دیئے اور اللہ پاک نے اس کی تصدیق بھی کر دی، اس کے سب اچھے برے صفحہ ارض سے کس طرح مٹائے جا سکتے ہیں اور ان کے متعلق کلی مایوسی کا فتویٰ کون دے سکتا ہے؟ تعجب ہے کہ اسی قرآن سے ان کے خلاف ابدی ملعونیت کا فتویٰ نکالا جاتا ہے!

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

یہود ہادی و عادل

ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون۔ (اعراف۔ ۱۶۰)
اور موسیٰ کی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور حق ہی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

یہود محسن و ظالم

اور آگے بڑھیں تو سورہ صافات (آیت ۱۱۳) میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق علیہما السلام کے ذکر میں یہ ارشاد ملتا ہے۔ ومن ذریتھما محسن وظالم لنفسہ

ان دونوں کی اولاد میں نزولِ قرآن کے وقت نیک و بد دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں — سورۂ مائدہ جو بڑی حد تک اہلِ کتاب ہی کی تنقیص و تنقید کے لئے مخصوص ہے، اس میں بھی یہ اعتراف پایا جاتا ہے۔ ومنھم امۃ مقتصدۃ (آیت ۶۶) اور ان میں ایک گروہ میانہ رو ہے — ایسے ہی الفاظ سورۂ فاطر میں مسلمانوں کے متعلق فرمائے گئے ہیں۔

فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات الخ (فاطر۔ ۳۲)

صحفِ اولیٰ

ان قرآنی تصریحات کے ساتھ ساتھ اگر ہم صحفِ اولیٰ کو دیکھیں تو وہاں بھی یہود کو باقی رکھنے کے متعلق صریح آیات ملتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

> وہ (بنی اسرائیل) اپنی بدکاری کی سزا کو منظور کریں گے، اسی سبب سے کہ انھوں نے میرے (خدا کے) حکموں کو ترک کیا تھا اور ان کی روحوں کو میری شریعت سے نفرت ہوگئی تھی، اس پر بھی جب وہ اپنے دشمنوں کے ملک میں ہوں گے تو میں (خدا) ان کو ترک نہیں کروں گا۔ اور نہ مجھے اُن سے ایسی نفرت ہوگی کہ میں ان کو بالکل فنا کردوں اور میرا جو عہد ان کے ساتھ ہو اسے توڑ دوں کیونکہ میں خداوند ان کا خدا ہوں۔ بلکہ میں ان کی خاطر ان کے باپ دادا کے عہد کو یاد کروں گا، جن کو میں غیر قوموں کی آنکھوں کے سامنے ملکِ مصر سے نکال کر لایا تاکہ میں ان کا خدا ٹھہروں، میں خداوند ہوں۔ (احبار باب ۲۶ آیت ۴۴ تا ۴۵)

یہ کتاب موسیٰؑ کا اقتباس ہے، اس کے صدیوں بعد یسعیاہ نبی جو اسرائیل کے آخری زمانے کے نبیوں میں ہے، اس کی کتاب میں لکھا ہے۔

> میں اسرائیل کا خدا ان کو ترک نہیں کروں گا۔" (باب ۴۱۔ آیت ۱۸) آگے چل کر لکھا ہے۔
>
> (اے یعقوب!) میں تیری نسل کو مشرق سے لے آؤں گا اور مغرب سے تجھے فراہم کروں گا، میں شمال سے کہوں گا کہ دے ڈال اور جنوب سے کہوں گا کہ روک نہ رکھ، میرے بیٹوں کو دور سے اور میری بیٹیوں کو زمین کی انتہا سے لاؤ۔ (ہ باب ۴۳۔ آیت ۵ و ۶)

ان آیات کے ساتھ ہی قرآن مجید کا یہ بیان بھی دیکھ لیجئے۔

قرآن سے مطابقت وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاء وعد الآخرۃ جئنا بکم لفیفا۔ (بنی اسرائیل۔ ۱۰۴)

اور ہم نے اس (فرعون) کے بعد بنی اسرائیل کو کہا زمین میں آباد ہو جاؤ پھر جب آخری وعدہ آئیگا تو ہم (خدا) تم کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔

ممکن ہے کہ یسعیاہ چیپ اور اس آیت کے لفظ وعد الآخرہ سے یہی وقت مراد ہو "جئنا بکم لفیفا" کے معنی "منضما بعضکم الی بعض" جتنے اس وقت صادق آرہے ہیں غالباً پہلے کبھی نہیں آئے۔ چار دانگ عالم سے یہود کا سمٹے ہوئے چلے آنا یہی پتا دے رہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دو وعدے اسی سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں دو وعدوں کا ذکر آچکا ہے، جن میں سے ایک چھ صدی قبل مسیح اور دوسرا ، ۷ سال بعد مسیح پورا ہو چکا ہے۔ یہ وعدہ (وعد الآخرہ) بہرحال ان سے الگ ہے، جس کا کوئی محل نظر نہ آنے کی وجہ سے بہت سے مفسروں نے وعدۂ قیامت سمجھا ہے۔ مذکورہ دو وعدوں میں جہاں بنی اسرائیل کے فساد عام اور سخت ترین تباہی کا ذکر ہے، وہاں بھی ان کے پنپنے کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔ پہلے وعدے کی تباہی کا اثر زائل ہو چکنے کے بعد فرمایا!

ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساءتم فلھا۔ (بنی اسرائیل۔ ۷)

اگر تم نیکی کروگے تو اپنی جانوں کے لئے نیکی کروگے اور اگر بدی کروگے تو بھی اپنی ہی جانوں کیلئے۔

یہاں "فعلیھا" کی جگہ "فلھا" لایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ عذاب بھی معذبین کی اصلاح اور فائدے کے لئے ہوتا ہے ـــــ پھر دوسرے وعدے کی تباہ کاریوں اور ہلاکت ریزیوں کے بعد مژدہ و تنبیہ ایک ہی آیت میں جمع کر دیئے ہیں۔

عسیٰ ربکم ان یرحمکم ـــــ وان عدتم عدنا ـــــ وجعلنا جھنم للکافرین حصیرا (بنی اسرائیل)

قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے ـــــ اور اگر تم پھر شرارت کروگے تو ہم پھر سزا دیں گے ـــــ اور اس کے علاوہ زندان کفار جہنم بھی تیار ہے۔

آہ مسلمان مسلمان صدیوں سے عجیب و غریب قسم کی بے شمار خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اور پھر اس شخص کی بات کو عقیدت و ارادت سے سننے کے عادی ہو چکے ہیں جو خوش فہمی کے فریب کو اور زیادہ رنگین کر کے پیش کرے۔ حقائق اس قسم کی خام خیالیوں سے بدل نہیں جایا کرتے۔ بلی کے قبضے میں آیا ہوا کبوتر آنکھیں بند کر کے مراقبہ میں لگ جانے تو بلی فرشتۂ رحمت نہیں بن جائے گی۔ قرآن ایک بین الاقوامی صحیفہ ہے۔ یہ مختص القوم نہیں، مختص الملک نہیں، مختص العہد نہیں۔ لیکن

اس حقیقت کو ہمارے اکابرین سے بھی کم ہی نے سمجھا ہے۔ یہ چیز آج نہیں تو کل دنیا کو ماننی ہی پڑیگی۔ ہم نا مسلم قسم کے مسلمان قرآن کے جمال عالم آرا پر حجاب سنگین بن کر چھا چکے ہیں۔ جو شخص ہم کو دیکھ کر قرآن کا اندازہ لگاتا ہے وہ قرآن سے اور زیادہ دور ہوجاتا ہے ـــ ہمارے صحیح مسلمان بننے یا راستے سے ہٹ جانے پر اس کا نور چمکے گا ـــ اس میں جو قوانین ہیں' اٹل ہیں۔ جن اعمال کے جو نتائج وہ بتاتا ہے وہ اٹل' سائنٹفک اور علت و معلول کے بے استثناء قانون کے مطابق ہیں۔ جس وجہ سے یہود کو سزا مل سکتی ہے' ہم بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ وہاں تو پیغمبروں کو بھی فوق القانون نہیں رکھا گیا۔

قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (دوبار انعام ۱۵ و زمر ۱۳)

اے محمد! اعلان کردے کہ اگر میں احکامِ الٰہی سے سرتابی کروں تو میں بھی بڑے دن کے عذاب سے محفوظ نہیں۔

پھر بھولے بھولے مسلمان بھائی اور ان کو جنت و شفاعت کی تسلیاں دینے' ان کو بہشتی دروازوں سے گزارنے والے اور بہشتی مقبروں میں میٹھی نیند سلانے والے کس گمان میں مبتلا ہیں۔ وہاں کوئی قوم سوتیلی ہے نہ سگی۔ مسلمانوں کے حق میں ایسے ہی الفاظ آئے ہیں جو کسی دوسری قوم کے حق میں نہیں آئے۔

ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (محمد ۳۸)

مسلمانو! اگر تم قانونِ الٰہی سے روگردانی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سوا کسی اور قوم کو بدل کر لے آئیں گے' پھر وہ تم جیسے (روگرداں) نہیں ہوں گے۔

دوسری جگہ یہی بات زیادہ سخت لہجے میں فرمائی ہے:

الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا۔ (توبہ ۳۹)

مسلمانو! اگر تم (خدا کی راہ میں) نہ نکلوگے تو (خدائے تعالیٰ) تم کو دردناک عذاب دیں گے اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئیں گے اور تم اللہ پاک کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان جب بھی طاؤس و رباب کے کیچڑ میں پھنسے اللہ تعالیٰ نے کسی دوسری صاحبِ شمشیر و سنان قوم کو ان پر مسلط کردیا۔ کبھی مشرکوں اور کبھی اہلِ کتاب وغیرہ کو۔

یہود کے نقشِ قدم پر

آغازِ مضمون میں جو برائیاں یہود کی بتائی گئی ہیں اور جن کو ان کی مغضوبیت اور مسکنت کا سبب قرار دیا گیا ہے' میں بار بار ان پر نظر کرتا ہوں اور اپنی قوم کو دیکھتا ہوں تو ان میں کوئی بھی ایسی نہیں جو ہم میں' ہمارے علما و مشائخ میں اور اہلِ ثروت میں نہ پائی جاتی ہوں۔ حقیر قیمت پر آیات و فتاوی کی تجارت ہمارے ہاں ہو رہی ہے۔ التباسِ حق و باطل اور کتمانِ حق میں ہم کسی سے پیچھے نہیں۔ لوگوں کو وعظ کہنا اور خود غرقِ معاصی رہنا ہمارے اہلِ قلم اور

زبان آوروں کا عام شیوہ ہے۔ بچھڑے کی نہیں تو اینٹ پتھر کی پوجا ہمارے ہاں سناتنی ہندوؤں سے کم نہیں۔ شاید کوئی کہے کہ سبت میں زیادتی اور قتل انبیاء کا جرم ہم پر ثابت نہیں۔ میں کہوں گا کہ ہم اس میں بھی یہود سے پیچھے نہیں۔ جمعہ[1] کے متعلق سب سے بڑی اسلامی سلطنت، پاکستان میں قرآنی احکام کی کیا پروا کی جاتی ہے۔ باقی رہا قتل انبیاء تو نبوت کا سلسلہ بند نہ ہو جاتا تو اس میں بھی ہم کمی نہ کرتے۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ اور العلماء ورثۃ الانبیاء کے مصداق علماء ربانی کے ساتھ جو سلوک ہم کرتے رہے ہیں اس پر کون پردہ ڈال سکتا ہے۔ حضرت عثمانؓ اور امام حسین رضی اللہ عنہما سے لے کر اسماعیل شہیدؒ، سید احمد بریلویؒ جمال الدین افغانیؒ، سر سید وغیرہم تک کو دیکھ جائیے۔ ان بزرگوں کے ساتھ خود مسلمانوں نے کیا سلوک کیا۔ سب سے آخر قائد اعظمؒ پر حملہ کرنے والا بھی تو مسلمان ہی تھا۔ یہ سب کچھ مسلسل کرتے رہنے کے باوجود ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور دنیا کی ساری قومیں کافر ہیں، بے دین، ملعون، مغضوب گمراہ اور ابدی جہنم کی سزاوار ہیں۔ اور صرف ہم خیر امت اور شفاعت کے پل پر پاؤں رکھ کر ہمیشہ ہمیشہ کی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ بلکہ اس سے بھی آگے چلیں تو ہمارا ہر گمراہ سے گمراہ اور بد اخلاق سے بد اخلاق شخص اپنے دین فروش پیر و مُلّا کے ارشاد کے مطابق یہ یقین رکھتا ہے کہ صرف وہی چند اشخاص نجات کے مستحق ہیں جو اس فرقے سے وابستہ ہیں جس کی کشتی کا کھیون ہار ان کا مُلّا ہے۔ یہ ہماری اکثریت کا حال ہے لیکن اس کے باوجود ہر زمانے میں امت مسلمہ نے ایسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں جن کے ہیجان آفریں عزم و خلوص نے ہمارے عالم گیر جمود میں حرارت کی روح پھونکی۔ اور اسلام کی گود آج بھی ایسے فرزندوں سے خالی نہیں۔

چھپے سنگ ریزوں میں گوہر بھی ہیں کچھ
ملے ریت میں ریزۂ زر بھی ہیں کچھ
(حالیؔ)

خلاصۂ کلام | اب ایک جامع نظر گذشتہ مباحث پر ڈال جائیے۔

ا ـــــ زمانہ نزول قرآن کے یہود میں چالیس کے قریب روحانی، اخلاقی، اعتقادی اور جماعتی

---

[1] طلوع اسلام میں "یوم اقبال" کی طرف بہت کچھ توجہ دلائی جا رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ قرآن کے مقرر کردہ یوم جمعہ کا صحیح مقصد قوم کے سامنے رکھا جائے اور رسم جمعہ سے نکال کر حقیقت و افادیت جمعہ سے روشناس کرایا جائے۔

[جمعہ کا اجتماع ہو یا یہود کی نماز کا۔ اس کی حقیقت اور افادیت مشروط ہے اس اجتماعی زندگی سے جسے ہم قرآنی نظام سے تعبیر کرتے ہیں۔ طلوع اسلام اس اصل کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ اسی اصل کے تابع تمام فروعات آجاتی ہیں۔ "یوم اقبال" کی طرف توجہ دلانے سے بھی یہی مقصد ہے کہ اقبال کو شاعروں اور قوالوں کے حوالے کرنے کے بجائے اس کے پیغام سے قرآن سمجھنے کا کام لیا جائے۔ طلوع اسلام]

عیوب موجود تھے، جن کا نتیجہ لازمی طور پر دنیا و آخرت کی ذلت و عذاب کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور قریب قریب وہی عیوب صدیوں سے ہم مسلمانوں میں راسخ ہو چکے ہیں اور ہر نئے سورج کے ساتھ ان میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہو رہا ہے۔

۲ ــــ زمانہ نزولِ قرآن کے اہلِ کتاب میں ایمان دار بھی تھے لیکن زیادہ تر فاسق ہی تھے۔ (منھم المؤمنون واکثرھم الفاسقون۔ بقرہ ۱۰۹) اور آج مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے۔

۳ ــــ ازروئے قرآن کفار و مشرکین اور دیگر غیر مسلموں پر دنیوی حکومت کا دروازہ بند نہیں۔ یہود کے لئے اگر "حبل اللہ" کو چھوڑ بھی دیں تو خاص طور پر "حبل من الناس" کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے، جس سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ (آل عمران ۔ ۱۱۲)

۴ ــــ اولادِ ابراہیم میں سے جو کافر ہو جائیں گے ان کو دنیا کا "متاعِ قلیل" ملے گا۔ (ومن کفر فامتعہ قلیلا۔ بقرہ ۱۲۶) یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ چاہے ساری دنیا مل جائے پھر بھی "متاعِ قلیل" ہی ہے (قل متاع الدنیا قلیل۔ نساء ۔ ۷۷) اور اگر اس میں قانونِ الٰہی کے مطابق تصرف کیا جائے تو یہی متاع ابدی بن جاتی ہے۔ (عطاء غیر مجذوذ۔ ہود ۔ ۱۰۹)

۵ ــــ اگر یہود کی سب صلاحیتیں ختم ہو چکی تھیں تو قانونِ الٰہی کے مطابق ان کو قطعاً نیست و نابود کر دینا چاہئے تھا۔ (فقطع دابر القوم الذین ظلموا۔ انعام ۔ ۴۶) اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ہر زمانے کے یہودیوں میں ایسے آدمی پیدا ہوتے رہے ہیں جن کا نام علم و ایجاد کی فہرست میں سب سے اوپر رکھا جا سکتا ہے، بلکہ قرآن نے تو ان کی ایک جماعت کی عبادت گذاری اور صدق و عدل تک کا اعتراف کیا ہے ــــ
(لیسوا سواء الخ آل عمران ۱۱۳ ــــ ومن قوم موسیٰ امۃ الخ اعراف ۔ ۱۶۰)

۶ ــــ زمانہ قرآن کے یہود اپنے مذکورہ بالا عیوب و معاصی کے سبب ذلت و خواری کی زندگی بسر کر کے اپنی قیامت سے جا ملے اور عذابِ اخروی میں گرفتار ہو گئے۔ قد بدت البغضاء من افواھھم و ما تخفی صدورھم اکبر۔ (آل عمران ۔ ۱۱۸) واذا لقوکم قالوا اٰمنا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل۔ ایضاً[1] وغیرہ بہت سی آیات سے اس عہد کے یہود کی تخصیص معلوم ہوتی ہے۔ اس میں قیامت کبریٰ تک پیدا ہونے والے یہود ہرگز داخل نہیں۔

۷ ــــ اگر روس، ہندوستان، جاپان وغیرہ ملکوں کے مشرک اور دہریئے مدتوں حکمراں رہ سکتے ہیں تو یہود نے ان سے بڑا کون سا قصور کیا ہے۔ اور مجھے معاف فرمایا جائے اگر میں اس تلخ حقیقت کا اعتراف

---

[1] ان کے منہ سے بغض ٹپکا پڑتا ہے اور دلوں میں تو اور زیادہ عداوت بھری ہوئی ہے . . . جب تمہیں ملتے ہیں تو ایمان کا قائل بن جاتے ہیں، اور الگ ہوتے ہیں تو مارے حسد کے تم پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔

کرلوں کہ ہمارے اکابر واصاغر اور جہلا واہل علم میں بھی شرک ودہریت[1] کی کمی نہیں۔

۸ ـــ یہود کی ابدی محکومیت کا تصور دو وجہ سے پیدا ہوا۔ اول، قیامت کا محدود مفہوم ـــ دوم: یہود کی طویل محکومی کا مشاہدہ۔

۹ ـــ جزاء اعمال کا معاملہ قطعی اور اٹل ہونے کے ساتھ اتنا وسیع اور پیچیدہ بھی ہے کہ انسانی دماغ اس کے تمام اطراف وجزئیات کا احاطہ کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔ ہمارے اختیاری اعمال اور سوسائٹی کے دباؤ سے متاثر ہوکر اضطراری اعمال کچھ اس طرح مخلوط ہوتے ہیں کہ علیم وخبیر احکم الحاکمین کے سوا ان میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ یہ دنیا ایک حد تک ضرور محل جزا بھی ہے، لیکن کا ملاً دار الجزا، دار آخرت ہی ہے۔ اور یہ بات قرآنی محکمات اور عقلی مسلمات کے قطعاً خلاف ہے کہ ایک خاص زمانے کے لوگوں کی بداعمالیوں کی سزا ان کے تمام اخلاف کے نام پہلے سے لکھ دی جائے جو ہزاروں سال بعد پیدا ہوکر اچھے یا برے عمل کے مجاز ہوسکیں گے۔ کیا یہ ناکردہ گناہوں کی سزا کا پہلے سے فیصلہ لا یظلم مثقال ذرۃ[2] (نساء ـ ۴۰) اور لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ (نجم ۳۹) کے منافی نہ ہوگا؟

۱۰ ـــ اس وقت یہودیوں اور مسلمانوں بالخصوص پاکستانیوں کو پھر ایک دفعہ لننظر کیف تعملون[3] (یونس ۱۴) کے مدرسے میں امتحان دینے کا موقع ملا ہے۔ اب یہ جیسی صلاحیت کا ثبوت دیں گے اس کے مطابق نمبر حاصل کریں گے ـــ بلاشبہ مسلمانوں کے پاس تمام اقوام عالم سے بہتر قانون ہدایت موجود ہے۔ لیکن جس طرح اندھے کو سورج اور بہرے کو موسیقی سے کوئی حظ نہیں ہوسکتا، اسی طرح کوئی کور دل قوم آفتاب ہدایت سے مستفید نہیں ہوسکتی ـــ اگر خدانخواستہ اس وقت ہم اپنے اندر ٹھوس کردار پیدا نہ کرسکے اور پاکستان کے حفظ وبقا کے ناقابل ثابت ہوئے تو ہمیں اپنی ہی آئندہ نسلوں کی لعنت اور دنیوی واخروی پاداش کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

یالیت قومی یعلمون!

---

[1] میں نے تو مساجد کے ائمہ اور خانقاہ کے مشائخ میں اعتقاداً دہریے اور عملاً فاسق وفاجر دیکھے ہیں۔

[2] اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتے۔ زید کا بوجھ عمرو کے ذمے ہرگز نہیں ڈالا جاتا۔

[3] پوری آیت پڑھئے۔ ثم جعلنا کم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون (یونس ۱۴) پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین بنایا تاکہ ہم (خداے تعالیٰ) دیکھیں کہ تم کیا عمل کرتے ہو ـــ اب اس آیت کو دیکھو اور اپنے پاکستانی عمل کو دیکھ کر خود ہی فیصلہ کرلو کہ ہم انعام کے راستے پر چل رہے ہیں یا سزا کی طرف لپک رہے ہیں۔

اسبابِ زوالِ اُمّت

[جب یورپ علمی انکشافات اور سائنسی ایجادات کی مدد سے اپنی اجتماعی زندگی کو نئے قویٰ سے متعارف کرا رہا تھا، مشرق غلامی اور ذلت کی سخت ترموت کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ انیسویں صدی نے حتمی طور پر مغرب کو مشرق بالخصوص دنیائے اسلام پر مسلط کر دیا۔ دنیائے اسلام کی شکست و ریخت کا جو بے پناہ عمل صدیوں سے جاری تھا وہ انیسویں صدی میں اپنے نکتۂ عروج تک پہنچ گیا۔ آزاد مسلمان سلطنتوں کے چراغ ایک ایک کر کے گل ہو گئے اور ان کی بجائے افرنگ نے اپنے بجلی کے چراغ، تابناک کئے۔ اس ہمہ گیر اضمحلال اور انحطاط نے دو شخصیتیں پیدا کیں۔ برصغیر میں سر سید مرحوم اٹھے جنہوں نے بے پناہ جوشِ عمل سے شکست خوردہ مسلمانوں کو پھر سے ابھارا اور تنکا تنکا جمع کر کے آشیانِ ملت کی طرح ڈالی۔ افغانستان سے سید جمال الدین اٹھے جن کا عرصۂ تگ و تاز تمام عالمِ اسلامی تھا۔ وہ مسلمان ممالک میں پھرے اور مغربی یورپ سے الجھے، تاکہ مسلمانانِ عالم کو متحد کریں اور ان کو پھر سے کھویا ہوا مقام دلائیں۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں افغانی نے ممالکِ اسلامیہ میں حریت اور زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔

افغانی صاحبِ عمل بزرگ تھے۔ آپ کی ساری زندگی اسی جد و جہد میں گزری کہ مسلمان مسلمان ہو کر متحد و آزاد ہوں اور عزت کی زندگی بسر کریں۔ ان کی جد و جہد نے انہیں بہت کم فرصت دی کہ وہ اپنے خیالات کو ضبطِ تحریر میں لا سکتے۔ بہرکیف ان کے اخبار "عروۃ الوثقیٰ" کے چند مضامین ان کی تحریرات کی یادگار ہیں۔ ایک مقالہ میں آپ نے اسبابِ زوالِ امت پر بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے حالات و کوائف کے مطابق اسبابِ زوال کا تجزیہ کیا اور ان کا حل پیش کیا۔ ہر چند اب ہمارے حالات مختلف ہیں اور مسائل جداگانہ، تاہم ان کا تجزیہ ہمارے لئے دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ذیل میں ان کے مضمون کا ملخص پیش کیا جا رہا ہے۔

طلوعِ اسلام]

ہم نے متعدد ایسی قومیں دیکھی ہیں جو عدم سے وجود میں آئیں، ترقی حاصل کی اور بام رفعت پر خراماں نظر آنے لگیں۔ دنیا میں ان کی طاقت کا ڈنکا بجنا شروع ہو گیا اور ان کے تنزل کا خیال تک لوگوں کے دلوں سے محو ہو گیا۔ بالآخر ان کا آفتاب عزت غروب ہوا اور وہ ذلت کی تاریکیوں میں کھو گئیں۔ مسلمانوں کی قوم بھی انھیں میں سے ایک ہے۔ لیکن کیا ہر بیماری کی طرح اللہ تعالیٰ نے تنزل کا بھی علاج پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب ایک حد تک اثبات میں ہے۔ یہ مرض اگرچہ لاعلاج نہیں لیکن اس کے علاج کے مشکل ہونے میں ذرا بھی شک نہیں۔ مشکل اندر مشکل یہ ہے کہ اس مرض کے اطبا بہت کمیاب لو عزیز الوجود ہیں۔

مرض کی تشخیص

مرض تنزل کا ایک بہت بڑا سبب تفرق اور اختلاف ہے۔ جس کی علت یہ ہے کہ قوم کا ہر ایک فرد خود غرض ہو کر اپنی بہبود کا خواہاں ہوتا ہے۔ استغفر اللہ! یہ میں نے کیا کہہ دیا کہ اپنی بہبود کا خواہاں ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ سچ مچ اپنی بہبود اور فلاح چاہتا تو وہ اپنے بھائیوں سے علیحدگی اختیار نہ کرتا جو بمنزلہ ایک ہی جسم کے اعضا اور اجزا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خود غرض اشخاص اغیار و اجانب کی بہبود اور فلاح اور انھیں کی کاربرآری کے آلات و ذرائع ہوتے ہیں، اور غلط فہمی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنی سود و بہبود میں مشغول ہیں۔ تمام ذی حیات کی طرح یہ لوگ بھی اپنی غذا کی طلب میں ضرور سرگرداں رہتے ہیں۔ لیکن اس بارے میں بھی وہ اس بات کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ وہ اپنی روزی کس طرح کماتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے کون سے جائز یا ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ کیا ایک ایسے گم کردہ راہ کو آپ دوبارہ صراط مستقیم پر لا سکتے ہیں جس کا اعتقاد یہ ہو کہ وہ راست پر ہے؟ اس نے منزل کو تو پس پشت ڈال دیا ہو اور ایک ایک قدم اٹھانے پر اسے قرب منزل کا یقین ہوتا جائے؟

ہر ایک بیماری کا صحیح علاج یہ ہے کہ مرض کی تشخیص میں غلطی واقع نہ ہو اور تشخیص کے بعد اس کے اسباب اور عوارض کو بھی ایک ایک کر کے دریافت کر لیا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مرض کی عمر کا اندازہ کیا جائے اور معلوم کیا جائے کہ اس نے اپنی عمر میں کتنی مختلف حالتیں بدلی ہیں۔ ایسے بھی امراض ہیں جن کے جراثیم پیدا ہو کر اندر ہی اندر نشو و نما حاصل کرتے رہتے ہیں لیکن طبیعت کی قوت مدافعت ان کا اثر ظاہر ہونے میں مانع رہتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادھر قوائے طبیعیہ مضمحل ہونا شروع ہوئے اور ادھر جراثیم نے اپنا اثر ظاہر کرنا شروع کیا جس کا انجام بسا اوقات ہلاکت اور موت پر ہوتا ہے۔ ایک قوم جس کا ارتقا اور تنزل سالوں کا نہیں بلکہ صدیوں کا نتیجہ ہو اور جو بے شمار افراد پر مشتمل ہو اس کے مرض کی تشخیص کرنا اور پھر صحیح طریق سے اس کا علاج کرنا آسان کام نہیں۔ اگرچہ مدعیان اصلاح و تجدید کی کمی نہیں تاہم ایسا فرد کامل کا ظہور مدتہائے دراز کے بعد ظہور ہوتا ہے جن کے ہاتھ پر کوئی مردہ قوم زندگی پائے اور اس کا پہلا سا مجد و شرف اسے دوبارہ حاصل ہو۔ جیسے نیم حکیم کے علاج سے مرض اور ترقی پذیر ہوتا ہے بعینہ جو لوگ

بغیر کامل بصیرت کے اقوام کی اصلاح اور تجدید کا دم بھرتے ہیں ان کے تجویز کردہ نسخے بھی اکثر اوقات الٹا اثر پیدا کرتے ہیں۔ اصلاح قوم بلحاظ علم و عمل ایک گراں بار ذمہ داری ہے۔ اس لئے جس کسی کو کمال انسانی سے بہرہ وافر ملا ہے اور اس کی قلبی بصیرت مسخ نہیں ہوگئی وہ کبھی کسی قوم کی اصلاح اور تربیت کا اقدام نہیں کرتا جب تک کہ وہ اپنے آپ میں قدرا بھی کمی محسوس کرتا ہے۔

اخبارات کے ذریعہ اصلاح!

موجودہ زمانے میں اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اخبارات کی نشر و اشاعت قوم کے مرض کا علاج ہے اور یہی ایک ذریعہ ہے جس سے قوم کی ذہنیت میں ارتقا پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ خیال ٹھیک نہیں، کیونکہ اگر ہم فرض کر لیں کہ اخبار نویس طبقہ خود غرضی کی علت سے مبرا ہے اور جو کچھ وہ لکھتا ہے اس سے قوم کی اصلاح و بہبود اس کے مدنظر ہوتی ہے، تو بھی اس عالمگیر غفلت کے زمانے میں عام طور پر اخبارات کو ان اغراض کے لئے پڑھا نہیں جاتا۔ ایسے افراد کم ہیں جن کو صحیح سمجھ کا مادہ عطا کیا گیا ہو۔ جو سمجھنے والے ہیں وہ بھی بعض اوقات تنگ خیالات یا کسی نفسانی خواہش کی آمیزش کی وجہ سے تحریر کے اصل مقصد کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں جب کسی قوم کی ذہنیت میں تسفل پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اخبار بینی اور مطالعہ جرائد کو ایک مفید مشغلہ ہی تصور نہیں کرتی۔

تعلیم جدید کی افادیت!

بعض دوسرے اصحاب الرائے کا خیال ہے کہ مدارس عمومیہ کا اجرا جن میں یورپ کے جدید ترین اصول کے مطابق تعلیم دی جائے قوم کے اخلاق کو شائستہ بنائے گا اور اتحاد و اتفاق پیدا کرے گا۔ ایسا خیال کرنا بھی غلط ہے کیونکہ حکومت اور دولت سے محروم قوم کے لئے اس قسم کا علاج تجویز کرنا ایک دل خوش کن خیال سے زیادہ وقیع نہیں۔ البتہ استقلال کے ساتھ یہ تجویز عمل میں لائی جائے تو اس کا کامیاب ہونا ناممکن نہیں۔ لیکن ایسی سست رفتار تجویزوں کا اب وقت نہیں۔ اگر بالفرض قوم بعض افراد کو علوم و معارف سے متعارف کرانے میں کامیاب بھی ہو جائے تو کیا قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس سے قوم کو کوئی حقیقی فائدہ حاصل ہو سکے گا؟ اگر ایسا ہو تو یقیناً مجھے تعجب ہوگا۔ کیونکہ قوم کے افراد ان علوم و معارف سے بعید تر واقع ہوئے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ان علوم و معارف کا تخم کس طرح بویا گیا؟ کس پانی سے آبیاری کی گئی؟ کس طرح وہ بیج پھلا اور پھولا؟ ان کی تحصیل سے کن ثمرات اور نتائج کے ظہور میں آنے کی امید ہے؟ ایک تنزل یافتہ قوم کے افراد علوم جدیدہ حاصل کر کے عالم اور محقق نہیں بلکہ ناقلان علوم بنتے ہیں، کیونکہ اس قوم کے توہمات عہد طفولیت سے ان کی طبائع میں راسخ ہو چکے ہیں اور جس اجنبی قوم سے انھوں نے علوم و معارف حاصل کئے اس کی عظمت کا سکہ اس قدر ان کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے کہ ان کا وجود مزاج (قومی) کو اور فاسد کر دیتا ہے۔ اس قسم کا تعلیم یافتہ طبقہ اگر بالفرض قوم اور

وطن کی سچی محبت رکھتا بھی ہو اور خدمت وطن میں صادق ہو جب بھی چونکہ انھوں نے یہ علوم و معارف ایک اجنبی قوم سے حاصل کئے ہیں اور جس کا سرچشمہ خود ان کے سینوں میں موجزن نہیں ہوا اس لئے وہ اجتہاد فکری کے بغیر اپنی تعلیم کا حاصل دوسروں تک اسی طرح پہنچائیں گے جس طرح انھوں نے اپنے استادوں سے سنا۔ وہ اپنی قوم کی طبائع فطری اور ان کی عادات اور جذبات و احساسات کا لحاظ نہیں کریں گے۔ ان کے تصور نظر کی وجہ سے ماضی اور مستقبل کے خط و خال ان کی نظروں سے محجوب ہیں۔ ان کی نظریں تعلیم کے ظواہر تک محدود ہیں۔ اس تمام خرابی کا اصل الاصول اور علت العلل صرف یہ ہے کہ یہ لوگ علمائے محقق نہیں۔ ان میں سے جو درحقیقت ملت اور وطن کی خدمت کرنا چاہتے ہیں ان کی مثال ایک مادر مہربان کی سی ہے جسے ایک خاص غذا لذیذ معلوم ہوتی ہے، وہ اپنی شفقت سے اپنے پیارے بچے کو وہ غذا پیٹ بھر کر کھلاتی ہے۔ لیکن وہ بچہ جو ابھی شیر خوار ہے اپنی قوت ہاضمہ کمزور ہونے کے باعث اس غذا کو ہضم نہیں کر سکتا۔

ترکی اور مصر کی مثالیں

ترکوں اور مصریوں نے یورپ کے جدید ترین طرز کے مطابق کئی مدارس کھولے لیکن جس چیز کو تہذیب و تمدن کہا جاتا ہے بیشک وہ ان ممالک کے لئے تہذیب و تمدن ہے جنھوں نے نظام طبعی کے مطابق ان کو حاصل کیا اور اجتماع انسانی کے اصول کے مطابق اس کا اختیار کرنا اصلح اور انسب تھا۔ لیکن کیا ترکوں اور مصریوں نے باوجود مدت دراز گزر جانے کے اس سے کچھ فائدہ حاصل کیا؟ کیا ان کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی؟ کیا ان کا فقر و فاقہ چلا گیا؟ ان کی دولت و ثروت زیادہ ہو گئی؟ کیا انھوں نے اجنبیوں کی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا؟ کیا وہ اپنے قلعوں اور سرحدی چوکیوں کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں کامیاب ہو گئے تاکہ اغیار و اجانب ان کے ملک میں داخل نہ ہو سکیں؟ کیا وہ اس قدر عاقبت اندیش ہو گئے ہیں اور ان میں اتنی قابلیت پیدا ہو گئی ہے کہ اغیار کو انھیں ہڑپ کر جانے کا طمع پیدا نہ ہو؟ کیا ان میں حب الوطنی کا اس قدر جذبہ پیدا ہو گیا ہے کہ ملک و ملت کی فلاح و بہبود کو اپنی ذاتی فلاح و بہبود پر ترجیح دیں اور اپنی جان و مال اس کے لئے قربان کر دینے میں تامل نہ کریں؟

تقلید کی روش

بے شک ان میں بعض ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جو نہایت بلند آہنگی سے حریت اور وطن پرستی اور ایسے ہی دیگر الفاظ کو دہراتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو قوم کا راہنما سمجھتے ہیں اور رئیس الاحرار وغیرہ القاب سے یاد کیا جانا پسند کرتے ہیں۔ انھیں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے حاصل کردہ علم کے بموجب عمل بھی کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے گھروں اور اثاث البیت کی وضع بدل ڈالی۔ اپنے کھانے پینے اور کپڑوں میں جدت اختیار کی۔ چنانچہ وہ تمام ان چیزوں کو یورپ اور امریکہ کے طرز زندگی کے

مطابق دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی کمائی اور ان کی دولت غیر ملکوں میں چلی جاتی ہے اور اس کے عوض میں وہ ایسی چیزیں لیتے ہیں جن سے سوائے نمود و نمائش کے اور کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور چونکہ ملکی صناع ضروریات جدیدہ کے بہم پہنچانے سے عاجز ہیں اس لئے دن بدن ان کی صنعتیں زوال پذیر ہو رہی ہیں۔ اس طرح قومی اور ملکی صنعتوں اور صناعوں کا گوشۂ گمنامی میں پڑ جانا قوم کے چہرہ پر ایک بدنما داغ ہے اور اس کی تمام تر وجہ یہ ہے کہ ان علوم اور صنائع جدیدہ کی ترویج قبل از وقت ہے اور ان کی بنیاد ٹھیک طور پر نہیں رکھی گئی۔

حوادثِ ماضیہ اور بار بار کے تجربات نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ جو لوگ عادات اور اطوار میں کسی اجنبی قوم کی تقلید اختیار کر لیتے ہیں، ان میں اغیار و اجانب اور اعدا نسبتاً آسانی کے ساتھ دخل و نفوذ پا سکتے ہیں۔ ان کی ذہنیت ان اغیار و اجانب کے وساوس کو جلدی قبول کر لینے پر آمادہ ہوتی ہے اور جن کی وہ تقلید کرتے ہیں ان کی تعظیم سے ان کے سینے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ تمام ان لوگوں کو حقیر خیال کرتے ہیں جو ان کے ڈھانچے میں ڈھلے ہوئے نہ ہوں۔ ان موخر الذکر لوگوں کے کارنامے کتنے ہی قابل قدر ہوں وہ ان کو پرِ کاہ وقعت نہیں دیتے۔ رفتہ رفتہ وہ قلیل افراد جن کے دلوں میں غیرت اور عالی ہمتی کے جذبات موجزن ہیں وہ بھی ان میں جذب ہو جاتے ہیں۔ الغرض یہی مقلدین اغیار و اجانب کے لئے فتوحات کا دروازہ کھولتے ہیں اور ان کے تسلط کو مستحکم بنانے کے ذرائع عمل میں لاتے ہیں کیونکہ ان کے قلوب میں ان کی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوتا ہے اور وہ یہ تصور کرنے سے قاصر ہوتے ہیں کہ کوئی دوسری طاقت ان پر غالب آ سکتی ہے۔ ان کے نزدیک تعلیم کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنی استاد قوم کیلئے راستہ صاف کریں اور ان کی طاقت و عظمت کے گیت گائیں۔ وہ دوسروں کے نفوس کو مطمئن بنانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کے دل اجنبی قوم کی وحشت اور نفرت سے صاف ہو جائیں۔

حقیقی سبب لہٰذا نہ تو اخبارات کے اجرا سے کوئی معتدبہ فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ علوم جدیدہ کی تحصیل ہی کوئی اچھے نتائج پیدا کرتی ہے۔ پھر آخر وہ کونسی برقی طاقت ہو سکتی ہے جو ان جامد طبیعتوں میں نئی زندگی کی روح پھونک دے اور افسردہ افکار میں تازگی پیدا کر دے۔

جو قوم ممتاز درجہ حاصل کر لینے کے بعد قعرِ مذلت میں گر جائے اور اس کی سیادت و قیادت غلامی اور محکومی میں بدل جائے اس سے متعلق ان اسباب و علل پر نظر غائر ڈالنی چاہیے جو اس کے عروج و رفعت کا موجب بنے۔ جس چیز نے آپ کی قوم میں اولوالعزمی اور عالی ہمتی کی ایک روح پھونک دی اور دیگر اقوام عالم سے برتر کر دیا وہ ایک سچا دین تھا جس کے اصول پاکیزہ اور محکم تھے اور جس کا ہر حکم کسی حکمت پر مبنی تھا۔ وہ اجتماعات بشریہ اور معاشرت کے بہترین قوانین پر مشتمل تھا اور حقیقی تہذیب و تمدن کی کوئی اچھی بات نہیں تھی

جس کی اس نے تعلیم نہ دی ہو۔ اگر قوم کی ترقی اور اس کا عروج اس دینِ قیم کی پاکیزہ تعلیم کا نتیجہ تھا تو سمجھ لیجئے کہ اس کے پیرووں میں جو تنزل پیدا ہوا وہ صرف اس لئے پیدا ہوا کہ انھوں نے اس کے پاکیزہ اور ہمہ گیر اصول کی پابندی چھوڑ دی۔ چنانچہ دینِ متین کے اصلی احکام اور تعلیمات کے دوش بدوش ایسی بدعتیں ایجاد کی گئیں جن کو ان احکام اور تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ بایں ہمہ ان کو دین کی اصلی تعلیم خیال کیا گیا اور اصلی تعلیم کو بھلا دیا۔ یہاں تک کہ اصلی تعلیم کے صرف الفاظ باقی رہ گئے اور کتاب و سنت کی فقط عبارتوں کو پڑھ لینا کافی سمجھ لیا گیا۔ اس طرح ان کے اور ادراکِ حقائق کے مابین قانونِ قدرت کے تقاضے کے مطابق ایک موٹا پردہ ڈال دیا گیا۔ اب اس کے اٹھا دینے کے بغیر ان کا چاہِ ضلالت سے نکلنا ناممکن ہے۔ اس لئے ان کے تمام امراض کا صحیح اور نافع حل یہی ہے کہ ان میں اپنے سچے دین کی پابندی اسی طرح پیدا ہو جائے جو عہدِ سلف میں تھی۔ وہ اسی کے ذریعے اپنے نفوس کا تزکیہ اور اخلاق کی تطہیر کریں۔ پابندیٔ مذہب کے جراثیم مدتِ مدید سے بطریقِ وراثت اس قوم کے نفوس میں جڑ پکڑ چکے ہیں۔ قلوب کو مذہب سے سکون حاصل ہو چکا ہے۔ اس لئے جو شخص احیائے امت کو مدِنظر رکھتا ہے وہ معمولی تحریک سے اس پوشیدہ جذبہ میں ہیجان پیدا کر سکتا ہے اور ان کو سچے دین کے اصول و قواعد کی پابندی کا نصب العین عطا کر کے کمالِ انسانی سے بہرہ ور کر سکتا ہے۔

اگر آپ کو میرے اس بیان پر تعجب آتا ہے تو مجھے آپ کے تعجب پر تعجب ہے۔ کیا آپ نے امتِ عربیہ کی تاریخ فراموش کر دی ہے؟ دینِ اسلام کی روشنی پھیلنے سے پہلے وہ جاہلیت کے کس مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن ظہورِ اسلام کے بعد ان کی کایا پلٹ گئی۔ دینِ حق کی تعلیمات نے ان کے قلوب اور عقول کو منور کر دیا اور انھوں نے علوم و فنون میں وہ تبحر اور مہارت پیدا کی کہ اقوامِ عالم کے استاد بن گئے۔ لہٰذا اب بھی مسلمان حقیقی ترقی چاہتے ہیں تو انھیں اسلام کی سچی تعلیمات کا دامن مضبوطی سے پکڑنا ہوگا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔

جذبۂ عصبیت کسی قوم کے افراد کے جذبات اور حسیات کا صحیح تصور کرنے اور ان پر بنظرِ غائر دیکھنے سے صریحاً معلوم ہو جائے گا کہ ہر ایک کے دل میں قوم کی جانبداری اور دیگر افرادِ قوم کی حمایت کی روح کم و بیش موجود ہے۔ اس جذبۂ حمیت کے اسباب و علل اس قدر پوشیدہ واقع ہوئے ہیں کہ اکثر محققین نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ قوم پرستی کا جذبہ فطری احساس کا نتیجہ ہے۔ لیکن یہ رائے قابلِ پذیرائی نہیں۔ کیونکہ اگر کسی بچے کو حالتِ طفولیت میں اپنی قوم سے جدا کر کے منتقل کر دیا جائے تو قوتِ تمیز پیدا ہو جانے پر اپنی قوم کی طرف مائل ہونے کا جذبہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قوم پرستی کا جذبہ فطری نہیں، کیونکہ امورِ فطریہ میں کبھی تغیر نہیں آتا۔ ہر چند یہ جذبہ فطری نہیں بلکہ عارضی حالات کا نتیجہ ہے لیکن یا انسان کی

نفسیات پر اس قدر گہرا اثر ڈالتا ہے کہ فطری جذبات کے برابر قوی الاثر ہو جاتا ہے۔ انسان جس ملک میں بھی رہتے ہوں ان کی ضروریات کا حد و حساب نہیں اور جب تک انسان کا نفس کسی خاص تربیت سے اثر پذیر نہ ہوا ہو تو وہ لامحالہ اپنی ضروریات پورا کرنے میں خود غرضی سے احتراز نہیں کرے گا۔ نیز جب لالچ اور خود غرضی کے ساتھ کسی کو اقتدار بھی حاصل ہو تو اس کا لازمی نتیجہ ظلم اور تعدی ہوگا۔ اسی ظلم و ستم اور دست درازی کو دفع کرنے کے لئے ایک خاندان کے افراد جو از روئے نسب باہم دیگر متعلق تھے ایک دوسرے کی حمایت کرنے لگے۔ عصبیت کا جذبہ آہستہ آہستہ ترقی پذیر ہوتا گیا۔ ہوتے ہوتے خاندان کی جگہ قوم نے لے لی۔ جس کے افراد نسب اور ملک یا زبان کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوں۔ چنانچہ ہر قوم بجائے خود ایک خاندان کے مانند متصور ہونے لگی اور اپنے اغراض و حقوق کی اجنبی اقوام کے اغراض و حقوق کے مقابلہ میں حفاظت کرنے لگے۔

لیکن نفوسِ بشریہ اس جذبۂ قومیت اور عصبیت کو جائز حدود کے اندر نہ رکھ سکے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی قوم یہ گوارا نہیں کرتی کہ دوسری قوم کا اس پر حاکمانہ تسلط ہو، کیونکہ ان کے دلوں میں یہ اعتقاد راسخ ہو چکا ہے کہ کوئی دوسری قوم ان کے ساتھ انصاف نہیں کرے گی، اور اگر بالفرض وہ عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرے بھی تو بھی غیر قوم کی حکومت کے سامنے جھکنے کی ذلت غیور طبع انسان برداشت نہیں کر سکتا۔

رشتۂ اسلام

جیسا کہ ہم نے دیکھا جذبۂ قومیت و عصبیت کا ظہور محض ضرورت اور حاجت پر مبنی تھا۔ اس کے بعد اس میں وسعت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ یہ اپنی حدود سے کسی قدر تجاوز بھی کر گیا۔ اب اگر کسی طرح یہ ضرورت اور حاجت باقی نہ رہے جس کی بنا پر جذبۂ عصبیت اور قوم پرستی کا ظہور ہوا تو یقیناً یہ جذبہ بھی نابود ہو جائے۔ پھر اگر کوئی ایسا قابلِ اعتماد حاکم موجود ہو جس کے سامنے دنیا بھر کی طاقتیں ہیچ ہوں اور اس کی عظمت کے آگے ہر انسان کو بالطبع سرِ تسلیم و اطاعت خم کرنا پڑے، اور تمام افرادِ انسانی سے اس کو ایک جیسی نسبت بھی حاصل ہو، الغرض زمین و آسمان کے سب تصرفات اس کے قبضۂ قدرت میں ہوں، اور پھر وہ اپنے احکام کی تنفیذ و اجرا کے لئے کوئی ایسا نائب مقرر کر دے جو ان احکام کو ماننے اور ان کی پابندی کرنے میں ایک ادنیٰ ترین فرد کے ساتھ وہ خود بھی شریک ہو تو کچھ شک نہیں کہ نفوسِ انسانیہ اپنے حقوق کی حفاظت کی جانب سے مطمئن ہو جائیں اور رفتہ رفتہ عصبیت قومی کا جذبہ دلوں سے کم ہوتا چلا جائے۔ یہاں تک کہ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہے۔ اتنا سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھ لینا مشکل نہیں ہے کہ اس قسم کی قومیت اور عصبیت کا جذبہ مسلمانوں میں کیوں کارفرما نہیں۔ مسلمان باوجود اقطارِ عالم میں رہنے کے کسی خاص قومیت اور عصبیت کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ اسلام اور صرف اسلام کو رشتہ رابطۂ اتحاد سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہبِ اسلام نے صرف یہی تعلیم نہیں دی کہ لوگوں کو دینِ حق

کی دعوت دی جائے اور نفوسِ بشریہ کے روحانی پہلو کو تقویت دی جائے تاکہ وہ عالمِ اسفل کی آلودگیوں سے نجات پا کر عالمِ بالا کے انوار سے محظوظ ہوں، بلکہ اس کے علاوہ اسلام نے انسانوں کے باہمی معاملات کی بابت بھی ہدایات صادر فرمائیں، ہر قسم کے حقوق کی تعیین کی اور حکومت کے لئے جو اس کے احکام اور حدود کی تنفیذ کی ذمہ دار ہے ایسی کڑی شرطیں مقرر کیں کہ کوئی اسلامی حکومت اپنی رعایا پر دستِ تظلم دراز نہیں کر سکتی۔ مثلاً مذہب مقدس اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی شخص وراثت کی بنا پر یا کسی خاندانی امتیاز کو مدِ نظر رکھ کر یا محض دولت اور ثروت کا مالک ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر حکمران نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کا حاکم صرف وہی ہو سکتا ہے جو احکامِ شرعیہ کی تنفیذ و اجرا کی پوری قوت رکھتا ہو اور اسلام کی مقررہ شریعت سے سرِ مو تجاوز و انحراف نہ کرے، اور وہ مسلمانوں کی رضامندی سے حاکم بنایا گیا ہو۔ گویا درحقیقت مسلمانوں کا حاکم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت ہے۔ جس کے نزدیک تمام افرادِ انسانی ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے حاکم اور امام کو باقی مسلمانوں پر صرف اس وجہ سے فوقیت حاصل ہے کہ سب امت کی رائے میں وہ احکامِ شریعہ کی تنفیذ کے لئے قابل ترین فرد ہے جو ان میں پایا جاتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے نسب اور حسب کے حقوق کو بالکل نظر انداز فرمایا ہے اور مذہب مقدس اسلام کے بغیر تمام رشتے اور رابطے اس کی نظر میں مبغوض اور مذموم ہیں۔ آنحضرت صلعم سے بروایت صحیح یہ حدیث منقول ہوئی ہے کہ جو شخص عصبیت کے لئے بلاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں، اور جو شخص عصبیت کے لئے لڑتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔ بلکہ اگر وہ مارا جائے تو سمجھ لو کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اسلام کے نزدیک صرف وہی افراد قابلِ تعظیم و احترام اور دوسروں کے ممتاز سمجھے جاتے ہیں جو تقویٰ میں امتیاز رکھتے ہوں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں بسا اوقات مسلمانوں کا حاکم اور امام ایسا شخص ہوا ہے جس کو کوئی نسبی برتری اور خاندانی امتیاز حاصل نہیں تھا، اور نہ اس کے باپ دادا ہی حاکم یا بادشاہ تھے۔

مسلمانوں کا طرزِ عمل ہمیں یہی بتاتا ہے کہ یہ لوگ قومی اور دیگر محدود روابط کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ انہوں نے کبھی کسی حکومت کے ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ میں آجانے کو قابلِ اعتراض نہیں سمجھا بشرطیکہ صاحبِ حکومت شریعت کے احکام کی تعمیل اور تنفیذ میں کوتاہی نہ کرے۔ ہاں، یہ سچ ہے کہ اگر کوئی حاکم شریعتِ مطہرہ کے احکام کو پس پشت ڈال دے اور محکوم افراد کے حقوق پر دست درازی کرنا شروع کر دے تو اگرچہ وہ حاکم ان کی قوم کا ایک فرد ہو وہ اس کے برخلاف علمِ بغاوت بلند کر دیں گے اور جب تک اس کا نعم البدل حاصل نہ کر لیں چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ بادشاہِ اسلام کی تمام تر قوت اور طاقت کا راز اسی میں ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے مسلک پر کاربند ہو اور دینِ قویم کے اصول پر عمل پیرا ہو جو قرنِ اول کے لوگوں کا دستور العمل تھا۔

میں دوبارہ کہتا ہوں کہ اسلام نے دیگر مذاہب مروجہ کی طرح اپنی تعلیمات، صرف روحانیات تک محدود نہیں رکھا، نہ اس کا نصب العین فقط آخرت کی راحت اور خوشیوں کا حصول ہے۔ بلکہ اس نے ایسے اصول اور اعمال و اخلاق کی تعلیم دی جس کی بدولت اس کی تعلیم پر عمل کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی سعادت حاصل ہو تاکہ اقوام میں حقیقی مساوات پیدا ہو اور باہمی تباین اور اختلاف کا قلع قمع ہو جائے۔

بہرکیف اسلامی حکومتوں میں جو تفرق اور تحلیل کا عمل جاری ہے اس کا حقیقی سبب اور علت العلل یہی ہے کہ جن ہاتھوں میں ان ممالک کی تقدیر ہے انھوں نے دینِ قویم کے ان زریں اصول کی پابندی چھوڑ دی ہے جس کے اوپر اس کی شاندار عمارت کی بنیادیں قائم تھیں اور سلف صالحین کے بتائے ہوئے راستوں سے وہ منحرف ہو گئے ہیں۔ کیونکہ شریعت کی تعلیم سے انحراف کرنے کا پہلا اثر حکمران طبقہ پر پڑتا ہے۔ اگر یہ لوگ قواعد و احکام شریعت کی طرف رجوع کریں اور خلفائے راشدین کے طریق عمل پر کاربند ہوں تو قلیل تر زمانے میں ان کی حکومت اطراف و اکناف میں پھیل جائے، اور پچھلے ائمہ دین کی عزت اور عظمت سے ان کو بہرہ وافر ملے۔

قارئین طلوعِ اسلام میں سے بھی بعض حضرات نے اپنے جوابات ارسال فرمائے ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:-

---

سب سے پہلے اہلِ عرب نے اور ان کے بعد مسلمان کہلوانے والی کل اقوام نے قرآن کی تعلیم کو پس پشت ڈالدیا۔ قرآنِ کریم اپنے پیروؤں کو قرآن اور کل کائنات پر بار بار غور و فکر و تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ مسلمانوں نے بجائے اس پر عمل کرنے کے اس کے حروف و الفاظ کو ثواب کیلئے رٹنا، بغیر سمجھے پڑھنا اور نقش و تعویذ کے طور پر گلے اور بازو پر باندھنا کارِ عظیم تصور کر لیا۔ اگر مسلمان قرآن پاک کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جو ایجادات یورپ اور امریکہ کی کوششوں سے اب ہمارے سامنے ہیں ان کا موجد خود مسلمان نہ ہوتا۔ اسلامی حکومتیں اس بارے میں اتنی ہی موردِ الزام ہیں جتنے کہ حضرات علماء۔ آخرالذکر مقدس زمرہ نے اپنے پیشروؤں کی اندھا دھند تقلید کو اپنا نصب العین بنایا اور آئندہ کے لئے تحقیقات کے دروازے بند کر دیئے۔ اس غفلت کی وجہ سے تمام قوم کے دماغ بیکار ہو گئے اور ساری مسلمان قوم زندگی کی دوڑ میں بجائے اعلون بننے کے سب سے پیچھے رہ گئی اور یہ سب سزا ہم کو ہماری غفلت شعاریوں اور ناقدردانیوں کی وجہ سے قانونِ قدرت کے ماتحت ملی۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمان قوم کی غفلت سے مکمل طور پر فائدہ اٹھایا۔ نہ مسلمانوں کو اس خوابِ غفلت سے فوری بیداری ہوئی اور نہ اعدا نے ان کو سر اٹھانے کا موقعہ دیا۔

میری ناقص دانست میں اس صورتِ حال کا واحد علاج یہ ہے کہ تمام سابقہ روایات اور تغیرات کو

نذرِ آتش کر دیا جائے اور صرف قرآن کو سامنے رکھ کر آئندہ کے آئین کی داغ بیل ڈالی جائے۔ نیز اپنے تعلیمی ادارے اسی کی روشنی میں چلانے چاہئیں اور اس قرآنی آئین کی خلاف ورزی کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو مصطفےٰ کمال نے ترکی میں اور رضا شاہ نے ایران میں روا رکھا۔

(محمد امین الدین صاحب، فیض باغ، لاہور)

"طلوعِ اسلام" شمارہ مارچ ۱۹۶۰ء میں آپ کا "اہم سوال" پڑھا۔ سوال فی الحقیقت اہم ہے۔ موجودہ حالات میں مسلمانوں کی اس محیر العقول اور دلدوز حالت پر بنظرِ دقیق غور کرنا، ان کے زوالِ بے مثال کی علل کی ٹوہ لگانا اور ان کو از سرِ نو ترقی کی صراطِ مستقیم پر لگا کر تمکن فی الارض اور خلافت و امامت کے مقامِ محمود پر فائز ہونے کے اصول بتانا ہر بہی خواہِ ملت اور صاحبِ علم و بصیرت مسلمان کا فرضِ عین ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر مسلم مبصروں کی نظر میں مسلمانوں کی ذلت اور گراوٹ کا سبب اُن کا مذہب ہی ہے۔ اور نیک نیتی یا بدنیتی سے وہ ہمیشہ یہی کچھ ظاہر بھی کرتے رہے۔ لیکن میرے نزدیک، آج اگر مسلمان ذلیل و زبوں، محکوم و بے بس اور ضعیف و خستہ تن ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ مذہب یا بالفاظِ صحیح تر دین کا پابند ہے بلکہ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ (۱) اس نے دین کو دھرم بنایا، خدائے واحد کی اطاعت اور حکومیت کو چھوڑ کر اغراض و مقاصد، اولیا و اصفیا، پیروں اور قبروں اور اسی قسم کے دیگر بے شمار بتوں کی غلامی اور پرستش عملاً قبول کی۔ فاطرِ زمین و آسمان کے دیئے ہوئے قانون (قرآن حکیم) کو اس ظالم نے حکایات و روایات، تعویذ اور گنڈوں، خود ساختہ احادیث و تصوف اور رسم و رواج کے غلافوں میں (خاکم بدہن) مدفون کر کے "ایصالِ ثواب" (؟) کا ناقابلِ فہم ذریعہ اور مرگِ آساں کا ذلت آمیز و مضحکہ انگیز وسیلہ بنایا ؎

بہ بندِ صوفی و مُلّا اسیری　　حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست　　کہ از یٰسین اُو آساں بمیری　　اقبالؒ

اور (۲) سیاسی اور عملی دنیا میں اپنے واحد دستورِ حیات، طریقِ کارِ زندگی، معیارِ زشت و خوب اور محکِ ردّ و قبول (قرآن) کو پسِ پشت ڈالا۔ آہ! نوبت بایں جا رسید کہ آج کہیں شاہنشاہیت کے اصول پر گامزن ہو کر ننگِ انسانی بنا ہوا ہے تو کہیں جمہوریتِ غربی کا معتقد ہے، کہیں سوشلزم میں مرعوب ہو رہا ہے تو کہیں قومیت کا پجاری ہے، کہیں وطن پرستی کا راگ الاپ رہا ہے، کہیں نسل و لسان کی راگنی چھیڑے ہوئے ہے، کہیں اغیار سے خم کھا کر اسلام سے تمسک و تعلق تک کے اظہار سے شرما رہا ہے اور کہیں "فرزندِ تہذیب" بنا ہوا ہے۔ اور اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ اس قدر بے شمار نظام ہائے زندگی کو کہ اسلام کی ضد ہیں اپنانے کے باوجود

مسلمان“ ہے، حالانکہ اس طرزِ زندگی کا مطلب تو یہ ہے کہ رحمٰن اور شیطان میں ملاپ ہو، باطل سے سازگاری ہو، نہیں، یہ طریقِ کار تو ابراہیمؑ اور نمرود میں یگانگت، موسیٰؑ اور فرعون میں موانست اور محمدؐ اور ابوجہل میں مصالحت کے مرادف ہے، جو نہ کبھی ہوئی، نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہی ہوگی!! غالباً موجودہ مسلمانوں کے انہی تضادہائے باطل کی اطاعت اور اس اطاعت اور انحراف قرآن کی عبرتناک و عدیم النظیر سزا ہی کو دیکھ کر علامہ اقبالؒ کو یہ حقیقت افروز مگر دلدوز اعلان باکراہ و تمام کرنا پڑا تھا:

دل با از کنارِ ما رسیدہ — بصورت ماندہ و معنی ندیدہ
ز ما آں راندۂ درگاہ خوشتر — حق او را دیدہ و ما را شنیدہ

مختصر یہ کہ ”قدر دۂ خاشیتہ“ کے مصداق ہو کر مغرب کی اندھی تقلید میں مسلمان نے دین کو دھرم بنا کر خدا کو مسجد کی چاردیواری میں مقید کیا۔ اور کاروبارِ دنیا جسے امن و آشتی، صحت و سلامتی اور قسط و عدل سے چلانے کے لئے قرآن نازل ہوا تھا، اپنی خواہشات، ناکمل، نارسا اور گمراہ کن علم و عقل کے بل بوتے پر چلانے لگا۔ مغرب کی دیکھا دیکھی اس نے دین اور دنیا میں جدائی قائم کر دی اور

ہوئی دین و دنیا میں جس دم جدائی — اقبالؒ
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

یہ صرف میرا ہی مفروضہ نہیں ہے، بلکہ

ز قرآں پیش خود آئینہ آویز — دگرگوں گشتہ از خویش بگریز
ترازوئے بنہ احوالِ خود را — قیامتہائے پیشیں را برانگیز — اقبالؒ

کے مصداق میں ہر ملک کے ہر مسلمان سے گزارش کروں گا کہ قرآن کو سامنے رکھ کر اپنے اعمال کا جائزہ لے اور پھر بتلائے کہ من حیث القوم آج مسلمان قرآن کے کن اصولوں کو اپنا قانونِ حیات بنائے ہوئے ہیں؟ کتنوں سے عملاً (نہ کہ قولاً) منحرف ہیں؟ کس ملک میں اور کہاں قرآن صوفی و مُلّا کے بندھنوں سے آزاد ہے؟ اور کس ملک کے مسلمان شاہنشاہیت، مغربی جمہوریت یا اشتراکیت کے اصولوں کو اپنے ملک و مملکت کا قانون نہیں بنائے ہوئے ہیں؟ ان حالات میں کیا کوئی سلیم العقل شخص کہہ سکتا ہے کہ قرآن آجکل کے مسلمانوں کا عین اسی طرح واحد دستور العمل اور سرمایۂ حیات ہے جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا تھا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر کوئی تیرہ سو سال سے قرآن سے عملاً روگردانی کرنے والے مسلمان کی ذلت اور تنزل کا سبب مذہب کو قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اور پھر، کیا درحقیقت مسلمان کی تباہی اور تنزل کی وجہ مذہب سے انحراف اور قرآن سے بیگانگی نہیں ہے؟

مسلمان دوسروں سے کیوں زیادہ ذلیل ہیں یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مذہب سے پیچھا تو مغربی اقوام نے بھی چھڑایا اور ان کی تقلید میں مسلمانوں نے بھی دین کو تیاگ دیا، تو پھر مغربیوں کی طرح مسلمان کیوں طاقتور نہیں ہیں؟ اور عملاً اور ذہنی طور پر کیوں مغربیوں کے غلام ہیں؟ اگر آپ غور کریں تو اس سوال کا جواب چنداں مشکل نہیں ہے۔ اس تفاوت کی دو وجوہات ہیں!

دین کو دھرم بنایا ایک تو یہ کہ مغربی اقوام نے دین آسمانی کو محرف و مبدل کر کے اس قدر ناقابل عمل اور بے معنی بنایا تھا کہ وہ ان کی ترقی کی راہ میں عین اسی طرح سدِ سکندری کا کام کر رہا ہے جس طرح آج کل کے مسلمانوں نے دینِ فطرت کو حکایات و روایات، خود ساختہ احادیث و بے روح تصوف اور دیگر لایعنی اوہام و ظنون کا مجموعہ بنا کے اپنی تباہی کا باعث بنایا! ہر عقلمند انسان غیر مفید شے سے گریز کرتا ہے۔ چنانچہ اقوام مغرب نے اپنے ہاتھوں مسخ کردہ "مذہب" سے پیچھا چھڑا کر دنیوی طاقت حاصل کی۔ مگر مسلمان دین کو چھوڑ کر دھرم یعنی خود ساختہ و خود بافتہ جہالت میں ابتک مبتلا ہیں۔ اور جب تک اس موجودہ صورت حال کو مغربی اقوام کی طرح نہیں بدلیں گے اس وقت تک دین تو ایک طرف، مادی نقطۂ نگاہ سے بھی وہ مغربیوں کے دوش بدوش ہرگز ہرگز ترقی نہیں کر سکتے۔

بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں!

حقیقت ناشناسی اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں نے دیکھا تو مغرب کی ساقِ سیمیں اور سینۂ عریاں کو دیکھا، قابلِ رشک سمجھا تو اس کی صہبائے ارغوانی اور جامِ بلوریں کو سمجھا، اور اس سے گوئے سبقت لے گئے تو اخلاقِ ذمیمہ اور افعالِ شنیعہ میں لے گئے۔ حالانکہ یہ تو وہ نقائص و عیوب ہیں جو آج مغرب کی تباہی کا باعث ہو رہے ہیں۔ اور حقیقت ناشناس مسلمان نے

یہ زور دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
(اقبالؒ)

کی تنذیر کو نظر انداز کر کے علم و ہنر اور قوت و سطوت کے اوصاف میں سے مغرب سے کچھ بھی حاصل نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے زعم میں "دیندار" اور "مذہبی" ہونے کے باوجود "بے دینوں" سے پچھاڑے گئے۔ اور آج ذلت و بے بسی کی جہنم میں پڑے سڑ رہے ہیں۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں!

مسلمان کو کیا کرنا چاہیئے میرے نزدیک مسلمان کی کامیابی، بقا اور تمکن فی الارض کا صرف اور صرف ایک نسخہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ہر رطب و یابس کو جسے بے بنیاد عنصر

ظن ووہم سے خالی الذہن ہو کر وہ قرآن کی طرف رجوع کرے اور قرآن کو واحد محک ردو قبول قرار دیکر اپنا دستورِ حیات مرتب کرے۔ اسوقت مسلمان کے پاس سوائے قرآن کے اور کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو اشتراکِ عمل، تالیفِ قلوب کا ذریعہ بنے۔ مسلمان قرآن پر عمل کر کے اوجِ ثریا تک پہنچے تھے اور قرآن کو چھوڑ کر تحت الثریٰ میں جا گرے۔ اب اگر مسلمان کے دل میں زندگی کی کوئی تڑپ اور تمنا باقی ہے تو قرآن اور صرف قرآن کو عین اسی طرح حرزِ جان بنائے جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے بنایا تھا کہ

اے مسلماں گر تو خواہی زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
(اقبالؔ)

اگر عقلِ سلیم اس امر کی گواہی دے کہ مسلمان کا مرض یہی کچھ ہے، جو سطورِ بالا میں مختصر طور پر بیان ہوا، اور مرض کی تشخیص کے بعد علاج بھی، ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں تیر بہدف اور مجرب بتلایا گیا، تو پھر جس طرح ایک حاذق اور مخلص حکیم تشخیصِ مرض کے بعد لوگوں کے خیالات اور آراء کو دھیان میں لائے بغیر مریض کا علاج شروع کر دیتا ہے عین اسی طرح بیرونی دنیا کو خیال میں نہ لا کر ہمیں فوراً قرآن پر عمل شروع کر دینا چاہیے۔ انسان کی عقل قدرتاً محسوس پرست اور مشہود پسند واقع ہوئی ہے۔ اس وقت چونکہ قرآن کے اصول و تعلیم عملی دنیا میں محض خیالی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے قرآن کی وقعت ترسے الفاظ سے ذہن میں نہیں آسکتی۔ جونہی قرآنی (بتاکید تمام قرآنی اور صرف قرآنی) نظام منصۂ شہود پر آئیگا اس وقت آپ دیکھیں گے کہ یہی مذہب اور دین کو برا بھلا کہنے والے لوگ بھی قرآن کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ خالقِ ارض و سموات نے مسلمانوں کو "شہداء علی الناس" کہا تھا!!

(فقیر بخش مسلم صاحب، کوئٹہ)

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں نے مذہب بالکل چھوڑ دیا ہے اس لئے ذلیل ہیں بلکہ مسلمان بہ نسبت دوسری اقوام زیادہ مذہبی ہیں لیکن یہ صرف دعویٰ ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اصل میں موجودہ مسلمانانِ عالم کی مذہبی حالت اس وقت یہود کی اس مذہبی حالت کے مشابہ ہے جو نزولِ قرآن کے وقت یا اس سے پہلے تھی۔ مسلمان نہ تو اقوامِ یورپ کی طرح مذہب سے الگ ہوتے ہیں اور نہ مذہب کو اپناتے ہیں بلکہ ان کی زندگی کچھ اس طرح بٹ چکی ہے کہ ہر شعبہ دوسرے سے جدا و مختلف ہے لیکن مسلمان ہیں کہ مختلف سمتوں کو جانے والی گاڑیوں پر یک وقت سوار ہونا چاہتے ہیں پھر ہر گاڑی کا نام اسلامی گاڑی ہونا ضروری کیونکہ مسلمان ہیں۔ یہ دینی مدرسہ، یہ اسلامیہ اسکول، وہ دنیوی اسکول وغیرہ وغیرہ یہود کی طرح اپنے ہر عمل میں خواہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی مذہبی رنگ ضرور چڑھاتے ہیں یا چڑھایا

جا چکا ہے۔ موجودہ مسلمانانِ عالم کی مجموعی تہذیبی اور تمدنی زندگی کو دیکھ کر قبل از نزولِ قرآن یہود کا مکمل نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ اسلام کے سہل و آسان احکام۔ وہ بھی وہ عبادت کی چند رسمیں کہ جو زندگی کے عام مشاغل میں حائل نہ ہوں وہ تو ادا کر لئے جاتے ہیں ورنہ جہاں تک الدین کو جو الاسلام ہے زندگی کے ہر شعبہ میں عملی طور پر نافذ کرانے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی بنیادوں کو اسوۂ حسنہ پر استوار کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے بس اس قدر کافی سمجھا گیا ہے کہ خشک و سطحی طور پر اعتقاد رکھا جائے کہ واہ واہ سبحان اللہ حق وہی ہے مگر اس پر عمل کے لئے بھی وہی لوگ چاہئیں گویا عمل کے لئے خدا نے صرف صحابہؓ کو مکلف بنایا تھا۔ غالباً اسی حالت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے افتؤمنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا کیونکہ دنیا بھر کے مسلمان سمّٰعون للکذب اکّٰلون للسحت کا انفرادی و اجتماعی زندہ نمونہ ہیں۔ اور لطف کی بات یہ کہ جو کچھ کہا جاتا ہے یا کیا جاتا ہے وہ اسلام کے نام پر کیا جاتا ہے اور اس پر باقاعدہ شرعی رنگ چڑھایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ بھی یہی ہے کہ لھم فی الدنیا خزیٌ۔ مسلمانانِ عالم میں ایک اور وصفِ مذموم بطور قدرِ مشترک یہ بھی ہے کہ غیر اقوام کی نقالی و تقلید تو کرتے ہیں لیکن عیش پرستی اور بے حیائی میں۔ مگر تعلیم و تعمیرِ ملک، تنظیمِ قوم اور صنعت و حرفت اجی تو دوسری قوموں کے لئے ہے۔ ہمیں اس سے کیا واسطہ ہمارا کام تو صرف یہ ہے کہ ساری قوم کو اپنی خود غرضیوں اور عیش پرستیوں پر قربان کر دیں۔ تعلیم و تعمیر کے لئے ہمارے پاس روپیہ ہی کہاں آمدنی تو صرف اتنی ہے کہ بیچارے کسان کمائیں اور نواب صاحب بہادر پیرس و لنڈن جا کر اس کو اڑا آجائیں بس۔

(عبدالقیوم صاحب۔ ہری پور ہزارہ)

اقوامِ عالم کے مقابلے میں مسلمان پست اور ذلیل اس لئے ہیں کہ اس کا اصلی باعث "مذہب" ہے۔ عرض یہ ہے کہ مذہب کے لفظ کے لغوی معنوں سے قطع نظر یہ بات اس حد تک ٹھیک ہے کہ ہمارے "موجودہ" مولوی کا غلط مذہب "ایک" سبب ہے لیکن صرف ایک سبب۔ چاہے یہ ایک سبب بذاتِ خود بجد اہم ہو۔ لیکن علاوہ ازیں دوسرے اسباب بھی ہیں جن کا ذکر آگے عرض کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی علاج بھی ذکر کرتا ہوں۔ مگر یہ کس قدر حیرت ہوتی ہے۔ آپ "لاحول نہ پڑھئے" جھانکنے کے لائق نہ ہو تو ردی میں ڈال دیجئے۔ اقوامِ یورپ کی جس قسم کی ترقی (یعنی مادی اور سیاسی برتری) آپ دیکھتے ہیں یہ سب کچھ تین باتوں کی رہینِ منت ہے۔ اول صنعتی ترقی۔ اس صنعتی ترقی کے لئے ان کو منڈیوں کی ضرورت تھی۔ ایسی منڈیوں کے لئے سیاسی رقابتیں شروع ہوئیں۔ مسلمان ملکوں کی حکومتیں اصلی معنوں میں اسلامی حکومتیں نہ تھیں اور نہ ہی

خود کفیل اور جو فرمانروا تھے یا ہیں وہ اپنے ملک میں صنعتوں کو رواج نہیں دیتے نہ انھوں نے ماہرین انکشافات کو ریسرچ کے مواقع پہنچائے۔ لہذا جتنے ہوائی جہاز، سامانِ حرب، خبر رسانی کے آلات وغیرہ ایجادات ہوئیں وہ غیر مسلم طاقتوں نے کیں۔ اور اسی طرح مسلمانوں پر برتری و فوقیت حاصل کر لی مسلمانوں کی حکومتوں میں خام اشیاء کی فراوانی رہی ہے اور تیل کے چشمے اور جمادات کی کانیں اور زراعت کے وسیع قطعات۔ چونکہ ایک انسان کو پیٹ بھرنے کے لئے ان اسلامی ممالک میں ہر ایک نعمت میسر ہے اس لئے ان ملکوں کے باشندوں کو روزی کی تلاش میں نہ تگ و دو کی ضرورت رہی اور نہ کسی ایسی ایجاد کی حاجت جس سے وہ دوسرے ممالک سے اس کے بدلے خام اشیاء اور غلہ لیتے۔ لہذا دوسروں کا محتاج۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمان طبعاً بے ضرر ہے اس نے ہمیشہ اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ اس کے دل میں رحم و عفو کے دو جزو ایسے ہیں جن کی وجہ سے وہ ہمیشہ خسارے میں رہا ہے۔ یورپ کی سیاسیات میں جھوٹ بولنا، مطلب کے لئے ہر ناجائز کام کرنے کو عین ثواب سمجھنا، دھوکا دہی، وعدہ شکنی وغیرہ بیشمار ایسی باتیں ہیں جو دنیوی ترقی کیلئے جائز سمجھی جاتی ہیں۔ مسلمانوں نے اس بات کو بھلا دیا ہے کہ "ومکروا ومکر اللہ۔ واللہ خیر الماکرین"۔ تیسری بات جو بہت اہم ہے یہ ہے کہ اقوامِ یورپ کی طرح کبھی بھی ان اسلامی ممالک نے ربوقتِ ضرورت خطرہ ہی سہی) ایک پیکٹ مرتب نہیں کیا جس سے ان کا بھرم قائم رہے۔ انھوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کو دشمن خیال کیا اور اسلامی اخوت کا کبھی مظاہرہ نہیں کیا۔ ایک اجتماعی شکل حج کی باقی رہ گئی ہے اسے بھی صرف کارِ ثواب تک محدود رکھا ہے۔ اس کو اصلی مقصد بالکل نہیں لیا جاتا۔ اگر مرکزِ اسلامی کو مضبوط بنایا جائے یعنی "یونائیٹیڈ نیشنز" کی طرح ایک "اسلامی یونائیٹیڈ بلاک" قائم کیا جائے اور اس میں بھی وہی ادارے قائم کئے جائیں جو اقوامِ متحدہ میں قائم کئے گئے ہیں تو ہر ایک ملک کی صنعتی، تجارتی، زراعتی، صحت وغیرہ کے معاملات مشترکہ مجلسِ شوریٰ کے نتائجِ فکر اور مالی امداد سے ٹھوس بنیادوں پر قائم ہو سکتے ہیں اور مسلمان بحیثیت ملت دنیا میں سرخرو و سرفراز ہو سکتے ہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ ہر ایک اسلامی ملک میں شہنشاہیت اور فردِ واحد کی ڈکٹیٹرانہ حیثیت کو دور کر دیا جائے اور اصلی اسلامی رنگ کی طرزِ زندگی کا رواج ہو جائے۔ جب تک یہ نہ ہو جائے اصلاحِ احوال ناممکن ہے۔ اسلام انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان کی توجہ اجتماعی ترقی کی طرف پھیرتا ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں نے اس بنیادی جزو کو یکسر چھوڑ دیا ہے اور چھوڑنے کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ انفرادی جمع آوری دولت کے اصول پر کاربند ہے اور اپنی دولت کو قوم و ملت کی بھلائی کیلئے صنعتوں وغیرہ کے ذریعے خرچ نہیں کرتا اسلئے قوم بحیثیت مجموعی غریب ہے اور کیریکٹر کے لحاظ سے گر چکی ہے اور ان کی خودداری و عزت سرمایہ دار کی خرید شدہ لونڈی ہے اور دنیا میں ذلیل اور پست ہیں۔

پاکستان اس کام میں پہل کرے تو ملتِ اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ کا سہرا اس کے سر ہوگا۔

ڈگل سردار افضل احمد ڈرائنگ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول مردان۔ (صوبہ سرحد)

بابُ المراسلات

یتیم پوتے کا حصہ

کچھ عرصے سے ہمارے پاس قرآن کریم کے قانونِ وراثت سے متعلق بہت سے استفسارات پہنچ رہے ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں سوال یہ پوچھا جا رہا ہے کہ ہمارا مروجہ فقہی قانون جس کی رو سے یتیم پوتے کو دادا کے ترکہ سے محروم کر دیا جاتا ہے قرآن کی رو سے کیسا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنی چار مختصر سی آیات میں پورے کا پورا قانونِ وراثت، جس حسن و خوبی اور جامعیت و الکیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، جب نگہِ بصیرت اس پر غور کرتی ہے تو انسان، قرآن کے اس اعجاز پر وجد کرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن جب اس کی نگاہ اس قانون پر پڑتی ہے جو ہمارے فقہا نے مرتب کیا ہے اور جو ہزار سال سے مسلمانوں میں مروج چلا آ رہا ہے تو وہ ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ یہ کس قسم کا قانون ہے! اس مروجہ قانون میں نہ صرف یہ کہ باہدگر متضاد شقیں موجود ہیں بلکہ اس میں قرآنی اصولوں کی صریح مخالفت بھی ہے۔ جنھیں قرآن وارث قرار دیتا ہے یہ قانون انھیں وراثت سے محروم کر دیتا ہے۔ قرآن ان کے لئے کچھ حصہ مقرر کرتا ہے، یہ قانون اس کے خلاف کچھ اور ہی دیتا ہے۔ کہیں ایک ہی درجہ کے دو رشتہ داروں میں ایک وارث قرار پا جاتا ہے دوسرا محروم رہ جاتا ہے اور سب سے بڑی افسوسناک صورت یہ کہ اس قانون کی رو سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا چوتھی جماعت کے بچوں جتنا بھی حساب نہیں جانتا۔ اس اصول کو ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جب کسی چیز کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جائے تو تمام حصوں کی حاصل جمع ایک (۱) آنی چاہئے۔ اگر حاصل جمع ایک نہیں آتی تو ریاضی کے ابتدائی قاعدے کی رو سے یہ تقسیم غلط ہے۔ مثلاً ($\frac{1}{2} + \frac{1}{3} + \frac{1}{6} = 1$) یہ تقسیم درست ہے۔ لیکن ($\frac{1}{2} + \frac{1}{4} + \frac{1}{3} = \frac{13}{12}$) یہ تقسیم غلط ہے کیونکہ ان حصوں کا مجموعہ (۱) نہیں بلکہ ($1\frac{1}{12}$) ہے۔

یہ ہے بہرحال وہ قانونِ وراثت جسے ہم بڑے فخر سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ اس سے ہم ایک طرف اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا تصور پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف کس طرح علمی دنیا میں اپنے آپ کو مضحکہ بناتے ہیں۔ لیکن ہم مسلمانوں کو اس سے کیا غرض کہ ان کے کسی عمل سے خدا کے متعلق کیا تصور پیش ہوتا ہے اور دنیائے علم و بصیرت میں ان کی پوزیشن کیا رہ جاتی ہے۔ انھیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے بس اسی طرح ہوتا چلا جائے۔ اور جو شخص اس کے خلاف ذرا سی آواز بلند کرے انھیں ہے

کہ آؤ ہم اپنی روش کو اللہ کی کتاب کے مطابق کرلیں، اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائیں۔

اس مختصر سی تمہید سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہمارا مروجہ قانونِ وراثت پورے کا پورا ایسا ہے کہ قرآن کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا جائے اور اس کی جگہ اس قانون کو رائج کیا جائے جو خدا نے ہمارے لئے متعین کیا ہے۔ اس وقت ہم اس قانون کے اس ایک گوشہ کو سامنے لائیں گے جس کے متعلق نمایاں طور پر استفسارات موصول ہوئے ہیں یعنی یتیم پوتے کی وراثت کا سوال۔

قانونِ وراثت چونکہ ایک فنی (Technical) مسئلہ ہے اس لئے اسے سمجھنے کے لئے ذرا دقتِ نظر کی ضرورت ہوگی۔ ہم کوشش کریں گے کہ اس کی فنی اصطلاحات سے بچ کر عام فہم اور سلیس انداز میں اسے پیش کریں لیکن اس کے باوجود آپ کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ اسے یونہی رواں نہ پڑھتے جائیں بلکہ ایک ایک ٹکڑے کو سمجھ کر آگے پڑھیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ اصل مسئلہ ہے کیا۔ یہ اس طرح سے سمجھ میں آئیگا۔

زید

بکر (زید کی زندگی میں فوت ہوگیا) — عمر (زید کی وفات کے وقت زندہ ہے)

خالد (زندہ ہے) — حامد (زندہ ہے)

خالد اور حامد دونوں زید کے حقیقی پوتے ہیں۔ خالد یتیم ہے۔ حامد کا باپ زندہ ہے۔ زید کی وفات پر اس کی جائیداد کی تقسیم کا سوال پیش آتا ہے۔ ہمارا فقہی قانونِ وراثت کہتا ہے کہ اس جائداد میں خالد (جو یتیم ہے) کچھ حصہ نہیں پائے گا۔ جائداد عمر کو ملے گی (اور اس کی وساطت سے اس کے بیٹے حامد کو)۔ اگر محض عقلِ عامہ کی رو سے بھی دیکھا جائے تو یہ فیصلہ سراسر ناانصافی پر مبنی دکھائی دیگا۔ خالد یتیم ہے۔ اس کے سر پر باپ کا سایہ نہیں۔ لیکن یہی اس کا جرم قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح اسے اپنے دادا کے ترکے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو وہ برابر کا حصہ لیتا۔ وہ مر چکا ہے، اس لئے اب خالد کو کچھ نہیں مل سکتا۔ اس کا چچا جائیداد کا وارث ہوگا۔

اب آئیے اس طرف کہ ہمارے فقہا اس کے لئے دلائل کیا پیش کرتے ہیں۔ اس باب میں ان کی دو دلیلیں اہم ہیں۔

(۱) وہ کہتے ہیں کہ جو شخص مرنے والے کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے واسطہ سے رشتہ رکھتا ہے، تو وہ شخص اس واسطہ کی موجودگی میں ترکہ نہیں پا سکتا۔

یعنی خالد کا رشتہ اپنے دادا زید کے ساتھ اپنے والد بکر کے واسطہ سے ہے، براہِ راست نہیں۔

ٹھیک ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ بکر تو مر چکا ہے۔ اس لئے اب خالد اپنے مرحوم باپ کا قائم مقام ہے اور اس کے اور اس کے دادا (زید) کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس کا چچا (عمر) درمیان میں واسطہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ خالد کا اپنے دادا سے رشتہ اپنے چچا عمر کے واسطہ سے نہیں ہے۔ اپنے باپ کے واسطہ تھا، اور یہ واسطہ اب درمیان سے نکل چکا ہے۔

اس مقام پر یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ہمارے فقہا خود اپنے وضع کردہ اصول پر بھی قائم نہیں رہتے۔ وہ خالد کو اپنے دادا (زید) کی وراثت سے تو محروم کر دیتے ہیں لیکن اگر زید کی زندگی میں خالد مر جائے تو اس کی جائداد زید کو دیدیتے ہیں یعنی دادا تو یتیم پوتے کا براہ راست رشتہ دار ہوتا ہے لیکن پوتا اپنے دادا کا براہ راست رشتہ دار نہیں ہوتا۔

اب ان کا دوسرا اصول لیجئے۔ درحاصل یہ دوسرا اصول ہی وہ محکم اصول قرار دیا جاتا ہے جس کی رو سے یتیم پوتا، وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ اصول ہے۔

الاقرب فالاقرب۔ یعنی قریب کے رشتہ دار کے ہوتے ہوئے بعید کا رشتہ دار محروم رہتا ہے۔

(دادا اور پوتے والی مثال میں) چونکہ عمر (زید کا بیٹا ہونے کی جہت سے) زید کا قریب کا رشتہ دار ہے اس لئے خالد (جو پوتا ہونے کی جہت سے زید کا بعید کا رشتہ دار ہے) عمر کی موجودگی میں محروم رہ جائیگا۔

زید

بکر (قریب کا رشتہ دار) عمر (قریب کا رشتہ دار)

خالد (عمر کی موجودگی میں زید کا بعید کا رشتہ دار)

اول تو یہ سن لیجئے کہ ہمارے فقہا خود اپنے اس اصول پر بھی قائم نہیں رہتے۔ اصول یہ ہے کہ

قریب کے رشتہ دار کی موجودگی میں بعید کا رشتہ دار محروم رہ جاتا ہے۔

مثلاً۔ رشید کا انتقال ہو گیا۔ اس کا دادا بھی موجود ہے اور بیٹا بھی۔ ظاہر ہے کہ بیٹا قریب کا رشتہ دار ہے اور دادا دور بعید کا۔ لہذا اس کے بیٹے کی موجودگی میں اس کے دادا کو کچھ نہیں ملنا چاہئے۔ لیکن ہمارے فقہا دادا کو حصہ دیتے ہیں اور اس طرح خود اپنا قائم کردہ اصول بھی قائم نہیں رہنے دیتے۔

اب آیئے اس اصول کی طرف۔ اس اصول کو اس آیت سے مستنبط کیا جاتا ہے۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان

والاقربون مما قل منہ او کثر۔ نصیبا مفروضا (۴/۷)

مردوں کو حصہ ملیگا اس میں سے جو والدین اور اقربا نے چھوڑا ہے اور عورتوں کو حصہ ملیگا

اس میں سے جو والدین اور اقربا نے چھوڑا ہے خواہ ترکہ تھوڑا ہو یا بہت۔ ایک معین حصہ (جو بعد میں بیان کیا گیا ہے)

یہ آیت میراث کے قانون کی تمہید ہے۔ ہم اس وقت اس عظیم اصول کی تشریح میں نہیں جانا چاہتے جو اس قانون میں بیان کیا گیا ہے۔ نہ ہی اس میں کہ جب والدین خود اقربا میں شامل ہیں تو ان کا الگ ذکر کیوں کیا گیا ہے نکات اپنے مقام پر سامنے آئیں گے۔ اس وقت صرف نقطہ زیر نظر مرکوز رہنا چاہئے۔ آیت میں اقربون آیا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ چونکہ رشتہ دار قرابت کے لحاظ سے بہت سے قریب اور بعید ہوتے ہیں، مثلاً والدین۔ اولاد۔ اولاد کی اولاد۔ بھائی بہن۔ چچا۔ پھوپھی وغیرہ۔ اور یہ ممکن نہیں کہ سب کے سب خواہ قریب ہوں یا بعید ایک ساتھ وارث ہوں اس لئے وراثت کا مدار اقربیت پر ہے۔ یعنی میت کے ترکہ میں سے اسی کو حصہ ملے گا جس کا وہ (مرحوم) اقرب ہو گا۔ قرآن نے یہ کہا ہے کہ اقربا جو چھوڑ کر مریں اس میں سے مردوں اور عورتوں کو حصہ ملے گا۔ یہ نہیں کہا کہ میت کے اقربین کو حصہ ملے گا۔ یہ فرق بڑا نازک ہے اور اس کو نظر انداز کر دینے سے تدوین فقہ کے وقت یہ اصول بنا یا گیا کہ میت کا قریبی رشتہ دار اپنے سے دور کے رشتہ دار کو محروم کر دیتا ہے اور اس اصول کی بنا پر یتیم پوتے کو مرنے والے کے بیٹے کی موجودگی میں وراثت سے محروم کر دیا۔

یہ فرق چونکہ بڑا نازک ہے اس لئے اسے اور وضاحت سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ تمہارے اقرب جو چھوڑ کر مریں اس کی تقسیم یوں ہو گی۔ یعنی دیکھنا یہ ہو گا کہ مرنے والا اپنے زندہ رشتہ داروں میں سے کس کس کا اقرب تھا۔ اقرب کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اور میت میں کوئی درمیانی واسطہ موجود نہ ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ زندہ رشتہ داروں میں سے جو میت کا سب سے قریبی ہو اس کو حصہ ملے گا اور جو اس سے دور کا رشتہ دار ہو اسے حصہ نہیں ملے گا۔ ہر اقرب کو حصہ ملے گا۔ یعنی ہر اس رشتہ دار کو جس کے اور میت کے درمیان کوئی واسطہ موجود نہ ہو۔ مثلاً

سعید ——— کریم کا دادا زندہ ہے۔

رحیم ——— کریم کا والد فوت ہو چکا ہے۔

کریم ——— اس کی وفات ہوئی ہے۔

رشید ——— کریم کا بیٹا زندہ ہے۔

کریم کا قریب ترین رشتہ دار رشید ہے (بیٹا جو بلا واسطہ رشتہ دار ہے)۔ سعید (کریم کا دادا) کریم کا بالواسطہ رشتہ دار ہے۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے کہ قریب ترین کی موجودگی میں اس سے بعید رشتہ دار محروم ہو جاتا ہے تو رشید کی موجودگی میں سعید کو محروم ہو جانا چاہئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ رحیم کی وفات کے بعد سعید اور

رشید دونوں کریم کے اقرب ہو گئے۔ اوپر کی طرف کریم اور سعید کے درمیان کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اور نیچے کی طرف کریم اور رشید کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ لہٰذا اقرب کے معنی ہوئے وہ رشتہ دار جس کے اور متوفی کے درمیان، متوفی کی وفات کے وقت کوئی واسطہ موجود نہ ہو جب صورت یہ ہے تو پھر پہلی مثال کو سامنے لائیے۔

جس طرح اوپر کی مثال میں، رحیم کی وفات سے سعید اور کریم اقرب (براہ راست رشتہ دار) ہو گئے تھے، اسی طرح بکر کی وفات سے زید اور خالد اقرب (براہ راست رشتہ دار) ہو گئے ہیں۔ اور براہ راست رشتہ دار (اقرب) وارث ہوتا ہے۔ لہٰذا خالد کو زید کے ترکہ میں سے حصہ ملے گا۔ حامد کو نہیں ملیگا، کیونکہ اس کے اور زید کے درمیان عمر موجود ہے۔ اگر عمر بھی فوت ہو چکا ہوتا تو پھر خالد کی طرح حامد کو بھی حصہ مل جاتا۔

وراثت کے قانون میں ایک چیز کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئیے اور وہ ہے قائم مقامی۔ باپ کی وفات سے بیٹا اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ بکر کی وفات سے خالد نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ وراثت کا سارا دارومدار قائم مقامی پر ہے۔ درمیانی واسطہ اٹھ جانے سے، بعید کا رشتہ دار، درمیانی واسطہ کا قائم مقام اور اس طرح میت سے اقرب ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کے حکم کے مطابق، مرنے والا (مورث) جن لوگوں کا اقرب ہوگا وہ لوگ وراثت پائیں گے۔ فقہا نے اقرب کا استعمال ورثہ (زندہ رشتہ داروں) کے لئے کیا جس سے بہت سی غلطیوں میں پڑ گئے۔ قرآن کے بیان کردہ اصول کے بعد ہم کو صرف یہ متعین کرنا تھا کہ میت کس کس کا اقرب ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور کسی قاعدہ بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ فقہ نے لفظ اقرب کی نسبت بھی غلطی کی اور پھر جو قواعد اس پر متفرع کئے ان پر عمل کرنا ناممکن ہو گیا جس کی وجہ سے کہیں خود اپنے بنائے ہوئے قواعد کے خلاف چل نکلے اور کہیں قرآن کے بھی خلاف۔

اس سے یہ مراد نہیں کہ ہمارے فقہا (رحمہم اللہ) نے دانستہ ایسا کیا۔ ہر انسان کے تفقہ میں غلطی کا امکان ہے۔ اس لئے قصور ان کا نہیں۔ اصل قصور ہے اس ذہنیت کا جس کی رو سے یہ عقیدہ بنا لیا گیا کہ اسلاف میں سے جو کچھ کسی نے کہہ دیا ہے وہ منزل من اللہ کی طرح تنقید کی حد سے بالا ہے اس لئے اس کے متعلق کسی پس آئندہ کا سوچنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہمیں اپنے اسلاف کی فکر کے نتائج پر آنکھیں بند کر کے چلتے جانا چاہیئے۔ یہی اسلاف پرستی اس قوم کو لے ڈوبی۔ اسی ایک مسئلہ وراثت کو لیجئے۔ قرآن نے وصیت کا حکم دیکر انفرادی مصالح کی حفاظت کا پورا پورا سامان کر دیا تھا۔ فقہا و اسعابات نے وصیت کو منسوخ قرار دیکر

ان تمام مصالح کو ختم کر دیا جس سے عجیب عجیب قسم کی اُلجھنیں پیدا ہو گئیں۔ پھر قانونِ وراثت میں فقہ کی غلطیوں نے قرآنی قانون کو کچھ سے کچھ بنا دیا جس سے کروڑوں جائز وارث اپنے آباؤ اجداد کی جائداد سے محروم ہو گئے۔ اگر اسلاف پرستی نہ ہوتی تو ایک کی اجتہادی غلطی کی گرفت دوسرا کر لیتا اور اس طرح اس کے نقصانات آگے نہ بڑھتے۔ اس ایک مثال سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قانونِ اسلامی کا مدار قرآن پر ہونا چاہیئے تو اس سے کیا مراد ہوتی ہے۔ آپ اندازہ فرمائیے کہ اگر ہم نے اس فیصلہ کے بعد، کہ ہماری حکومت کا آئین اسلامی ہونا چاہیئے آئین و قانون سازی کا کام ان کے سپرد کر دیا جن کا عقیدہ ہو کہ فقہ اور روایات میں جو کچھ لکھا چلا آ رہا ہے وہ وحی منزل کی طرح منزہ عن الخطا ہے اور ہمیں اس پر تنقید کا کوئی حق نہیں، تو ان کا وضع کردہ آئین و قانون کس حد تک قرآنی ہو سکتا ہے؟ قرآنی آئین و شریعت صرف قرآن سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جب ہم قرآن سے باہر جائیں گے تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں گے۔ و فیہا بصائر لکم۔

اسلامی حکومت کا نظام

صوبہ سرحد سے ایک مخلص دوست، جن کا قلب درد ملت سے ہر وقت تڑپتا رہتا ہے۔ رقمطراز ہیں۔

چند یوم سے ایک خیال پیدا ہوا ہے جسے آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں، نہ معلوم خیال کیا ہے۔ آپ کے سامنے مافی الضمیر کا اظہار ہے۔ غلط ہو تو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیجئے۔ خیال یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو "اسلامی زندگی" اور "اسلامی حکومت" کا تصور سمجھانے کے لئے ناول کی شکل میں طلوعِ اسلام میں باقاعدہ ایک ایسا مضمون تحریر فرمادیں جس میں قرآنی زندگی کے سب پہلو آسان ترین طریق سے ہمارے سمجھ میں آجائیں۔ مثلاً ناول یا قصے کی ابتدا ایسی ہو کہ ایک جزیرہ ہے جس کا رقبہ کوئی ۱۰۰ جریب یا ۴۰۰ کنال ہو۔ وہ کسی جگہ بنجر اور کسی جگہ سرسبز ہو۔ اس جزیرے میں جا با بچ اشخاص کا کنبہ کسی طرح پہنچ جاتا ہے یا پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ لوگ کس قسم کی زندگی بسر کریں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل باتوں کو مدنظر رکھا جائے۔

(۱) ۴۰۰ کنال زمین کو ساری دنیا سے تشبیہ دی جائے۔

(۲) وہاں میں بچے پیدا کریں گے اور مریں گے۔

(۳) کوئی ان میں تعلیم یافتہ ہوں گے، کوئی زمینداری کریں گے، کوئی پیشہ ور ہوں گے اور سائنسدان وغیرہ کوئی عورتیں ہوں گی اور کوئی مرد کوئی جولاہے اور کوئی لوہار وغیرہ۔

(۴) طبعی عمر کے لحاظ سے ۵۰ – ۶۰ سال کے عرصے میں ان میں کوئی مریں گے، کوئی جئیں گے۔ (کوئی لڑیں گے) لیکن ہر حالت میں ۴۰۰ کنال زمین میں ہی انھیں کھانا پینا ہو گا اور اسی زمین کے مطابق ان کی آبادی ہو گی۔

(۵) اب اسلام کے اصول کے مطابق اگر ان میں کوئی شخص ذاتی جوہر کے لحاظ سے نمایاں حیثیت اختیار کرے تو اس کے لئے باقی مخلوق کے ساتھ کیا سلوک اختیار کرنا چاہیئے۔ یہاں اس بات کو خاص طور پر مدِنظر رکھا جائے کہ زمین کی تقسیم کا کیا اصول ہو۔ کیا زمین برابر تقسیم ہوگی یا سٹیٹ کی ملکیت۔

(۶) باہمی تجارت اور زندگی کے مختلف شعبوں کی تطبیق اور غریب اور امیر پیدا ہو جانے کے ساتھ ساتھ ان کے باہمی فرائض۔ تاکہ وہ جزیرہ سراسر کسی ایک کی ملکیت نہ بن جائے۔ اور وہاں سب لوگ خوشحال و مطمئن زندگی بسر کر سکیں۔

(۷) اس جزیرے میں اس دنیا کی طرح ہر چیز ہوگی۔ مویشی، مرغان جنگلی اور پالتو، درندے، درخت، نباتات، جمادات، کانیں، دریا، وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ ایک چھوٹی سی دنیا ہوگی۔ اس فرضی دنیا کی مثال کے ذریعے آپ ہمارے شکوک و شبہات کو سراسر ایک ٹھیک لائن پر لے جائیں کہ ہم کو اسلامی زندگی کی کچھ جھلک کا اندازہ ہو جائے۔

اشخاص کی تعداد، زمین کی وسعت وغیرہ کے بارے میں ردوبدل آپ اپنے مضمون کے لئے مناسب مقرر کر سکتے ہیں۔ مگر اس قدر زیادہ تعداد و وسعتِ ارض نہ ہو کہ معاملہ سمجھنے سے باہر چلا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک فرضی اسلامی چھوٹی سی مختصر دنیا کا تصور ناول کے ذریعے پیش فرمائیں اور جگہ جگہ قرآنی ہدایات کا حوالہ دیں۔ مختلف شعبوں پر عبور فرمائیں اور بدمعاش، چور، ڈاکوؤں کی موجودگی کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی اور ملک کی اقتصادی حالت پر جو اثر پڑے اور اجتماعی زندگی پر ان کا ردِ عمل اور پھر اس کا علاج نور خدائی قانون کی طرف مضمون کا رُخ ایسے طریقے سے لایا جاوے کہ نہ صرف ہماری راہنمائی ہو سکے بلکہ خداوندانِ پاکستان کے سامنے مشعلِ راہ کا کام دے۔

جب طلوعِ اسلام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ ہمیں ذرا اسلامی زندگی اور اسلامی قوانین اور اسلامی حکومت کا کچھ مختصر سا تصور تو پیش کر دیں تو وہ پہلو بدل کر کہہ دیتا ہے کہ یہ کام حکومت کا ہے۔ ہم اس روشنی کے لئے بیتاب ہیں لیکن اس کا اس نے گذشتہ ایک سال کے عرصہ میں کوئی حل پیش نہیں کیا۔ یہ ناول کا طریقہ کسی حد تک تشنہ لوگوں کی تسکین کر سکتا ہے۔ اور اس میں جس قدر جلدی کی جائے بہتر ہوگا۔

طلوعِ اسلام ہم نے اپنے اس بھائی کے متعلق ابتدائی تعارف میں لکھا ہے کہ ان کا قلب، درد ملت سے ہر وقت تڑپتا رہتا ہے۔ آپ نے آپ خود دیکھ لیا ہوگا کہ ان کے اس خط کے ایک ایک لفظ سے کس قدر درد و کرب ٹپک رہا ہے۔ ان کی یہ تنقید نہیں، کراہنے کی آواز ہے جو ہر قلبِ حساس کو اسی طرح محروم خواب و خور کر دیتی ہے جیسے کراہنے والے کا اپنا درد۔

طلوعِ اسلام نے شکوہ کو اپنے سر آنکھوں پر لیا ہے کہ اس نے آج تک اسلامی حکومت کے نظام

آئین کو مرتب کر کے سامنے نہیں رکھا اور اس کی توجہ جب کبھی اس طرف منعطف کرائی ہے تو اس نے کہہ دیا ہے کہ یہ حکومت کا کام ہے۔

لیکن طلوع اسلام کیا کرے کہ اس کے نزدیک اس مطالبہ کا جواب ہی یہی ہے۔

آپ پوچھتے ہیں کہ اسلامی نظام میں ہوگا کیا؟ ہم کہتے ہیں کہ اسلامی نظام میں پورا پورا عدل ہوگا ہر شخص کو اپنے جوہر ذاتی کے نشوونما اور ترقی و تکمیل کے لئے پورے پورے مواقع حاصل ہوں گے اور جس حد تک اس کی صلاحیتیں اسے لے جانا چاہیں گی، اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ لہٰذا ہر بچے کی تعلیم و تربیت (یعنی اس کی صلاحیتوں کے ابھار اور تکمیل) کی ذمہ داری حکومت کے سر ہوگی اور اس میں امیر اور غریب کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا۔

اسلامی نظام میں بسنے والے ہر فرد کی تمام ضروریات زندگی کی کفالت حکومت کے ذمہ ہوگی۔ حکومت اس کی صلاحیتوں کے مطابق اسے کام دیگی اور اس کی اور اس کے متعلقین کی تمام ضروریات کی ذمہ داری خود لے لیگی۔ جو کام کے قابل نہ ہوگا اس کی بھی اور جو کام کر سکے گا اس کی بھی۔

اسلامی نظام میں کوئی شخص نہ دولت کے انبار جمع کر سکے گا نہ ہزاروں ایکڑ اراضی کے گرد سانپ بن کر بیٹھ سکے گا۔ کسی کی محنت کا ماحصل کوئی دوسرا نہیں لے جائیگا۔

اسلامی نظام میں ہر انسان کی بہ حیثیت انسان ہونے کے عزت ہوگی، نہ کہ حسب و نسب کی نسبتوں کی وجہ سے۔ اس کے بعد تکریم و تعظیم کے مدارج، بلندیٔ سیرت کے مطابق ہوں گے۔

اسلامی نظام میں نہ باہر سے کسی کا خوف ہوگا نہ دل کے اندر ہراس۔ اس میں شریف انسان کو کسی کا ڈر نہیں ہوگا اور بدمعاش کے لئے کہیں پناہ نہیں ہوگی۔

اسلامی نظام میں ڈاکٹر، مریض کی صحت کے لئے جوابدہ ہوگا اور "ظالم" فریادی کی پکار کے لئے مسئول۔ اس لئے صحت اور انصاف گھروں کے اندر پہنچایا جائے گا۔ اس کی تلاش میں سرگرداں نہیں پھرا جائے گا۔ غرضیکہ اسلامی نظام میں اوپر خدا ہوگا اور نیچے اس کے بندے اور ان دونوں کے درمیان کوئی قوت حائل نہیں ہوگی۔ یہ ہوں گے اسلامی نظام کے ثمرات و ماحصل۔

لیکن ہم اپنے اس بھائی سے پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ معلوم کرنے کے بعد بھی آپ کو کیا مل گیا؟ کیا اس سے آپ کی بھوک کا علاج ہو گیا؟ کیا آپ کی پریشانیاں ختم ہو گئیں؟ کیا مستقبل کا وہ بھیانک نقشہ جو آپ کو قبر میں بھی چین نہیں لینے دیگا، سکون و راحت میں بدل گیا؟ ہو سکتا ہے کہ چند لمحوں کے لئے آپ کو کچھ اطمینان سا ہو گیا ہو کہ ہاں! اسلامی نظام فی الواقعہ ایسا ہے جیسا ہم سب چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد جب آپ کی بچی کان میں آکر کہیگی کہ ابا! امی جان کہہ رہی ہیں کہ آج گھر میں آٹا نہیں، تو کیا طلوع اسلام میں شائع شدہ

اسلامی نظام کا یہ نقشہ اس کے سوال کا بھی جواب دیدیگا؟

بھائی جان! بھوکے کا علاج روٹی ہے، ہن برسانے والے خواب نہیں۔ ہماری مصیبتوں کا علاج اسلامی نظام کا عملی نفاذ ہے، اس کی تشریح و تبیین کی شاعری نہیں۔ اگر طلوعِ اسلام اس نظام کی جزئیات و فروعات تک مرتب کرکے ایک پوری اشاعت بھی اس کے لئے وقف کردے، تو اس سے ہمارے کون کے دکھ کا مداوا ہوجائے گا۔ تفاصیل کو چھوڑ دیجئے۔ آج کونسا مسلمان ہے جسے اس کا علم یا کم از کم احساس نہیں کہ اسلام دنیا میں امن و سلامتی، عدل و انصاف، خوشحالی اور مرفہ الحالی اور عروج و ترقی کا پیغام دیتا ہے۔ لیکن اس عقیدہ سے کب تک تسکین ہوسکتی ہے؟ سو پہلی چیز تو یہ ہے کہ کسی نظام کا محض حروف و نقوش کی شکل میں سامنے لے آنا، کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا۔ نظام اپنی عملی شکل ہی میں نتیجہ خیز ہوسکتا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ طلوعِ اسلام جو اسلامی نظام مرتب کرے گا، اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ کی حکومت اسی نظام کو قبول کرے گی؟ لہٰذا اس کا مرتب کردہ نظام اپنی تسکین خاطر کے لئے ہی ہوگا۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کے پیش نظر طلوعِ اسلام نے، باوصف ایں ہمہ اصرار و تکرار، اسلامی نظام کے جزئیات و فروعات مرتب کرنے سے احتراز برتا ہے۔ طلوعِ اسلام برسوں سے قرآن اور اس کے نظام کی دعوت دیتا چلا آرہا ہے۔ اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ اس نظام کو مرتب شدہ شکل میں بھی پیش کردے۔ لیکن اس کے نزدیک یہ کوشش بے سود اور یہ سعی لاحاصل ہے۔ اپنی حکومت کے ہوتے ہوئے، اس قسم کی انفرادی کوشش بے معنی ہوتی ہیں۔ حکومت سے کہئے کہ وہ کہدے کہ اسے اسلامی نظام کی مرتب شدہ صورت مطلوب ہے، جسے وہ، غور و فکر کے بعد، ملک میں نافذ کردے گی۔ پھر دیکھئے طلوعِ اسلام کس تمیز و تعیین اور شرح و بسط سے اسے پیش کرتا ہے۔ اس وقت تک متعدد گوشوں سے اسلامی نظام کے ترتیب میں انفرادی کوششیں ہوئی ہیں اور ان کے مرتب کردہ نظام چھپ کر لوگوں کے سامنے بھی آچکے ہیں۔ کہئے! ان سے کیا فائدہ حاصل ہوا جو طلوعِ اسلام کے مرتب کردہ نظام سے ہوجائے گا! حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام کوئی ایسی اجنبی شے نہیں جس کا کسی کو علم نہ ہو۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی جزئیات متعین کرنے میں کچھ محنت درکار ہو۔ لیکن اس کا علم ہونا، مشکلات کا حل نہیں پیش کرسکتا۔ ان کا حل، اس کے عملی نفاذ میں ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ بیویاں جن کے خاوند لاپتہ ہوں

محمد امین زبیری صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ کے ممتاز رسالہ طلوعِ اسلام ماہ مارچ میں صفحہ ۲۸ پر پناہ گزین عورتوں کی دشواری کے متعلق سوال ہے کہ وہ کب تک مفقود الخبر خاوندوں کا انتظار کریں۔ اس کے متعلق آپ کا

مشورہ یا جواب تسلی بخش نہیں۔

بھوپال میں سرکار عالیہ نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ مغفورہ نے ایسی عورتوں کی حالت پر جن کے خاوند لاپتہ ہو جاتے ہیں یا بیویوں کو معلق کر دیتے ہیں غور فرما کر چند علماء سے اس مسئلہ کا حل چاہا۔ چنانچہ علماء کی ایک کمیٹی مقرر ہوئی اور فقہ حنفی کی رو سے انہوں نے یہ رائے دی کہ اسی برس تک انتظار کرنا چاہیئے[1] (ممکن ہے کہ مدت کی شمار میں کچھ غلطی کر رہا ہوں لیکن یہ یقینی ہے کہ بہت طویل مدت تھی) مسلمانان بھوپال عموماً حنفی ہیں اور قاضی و مفتی ریاست بھی لازماً حنفی ہوتے ہیں اسی لئے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا مگر فقہ مالکی یا حنبلی میں یہ حل نکل آیا اور سرکار عالیہ نے حکم دیا کہ اس مسئلہ میں قاضی ریاست اسی فقہ کا اتباع کریں۔ چنانچہ اس وقت سے ایسی عورتیں قاضی کے یہاں درخواست پیش کرتی ہیں۔ قاضی ایک میعاد معین کا جو ایک سال سے زیادہ نہیں ہوتی ایک نوٹس اخبارات میں جاری کرتے ہیں۔ اگر خاوند حاضر ہو گیا اور اس نے نان و نفقہ دینا قبول کیا تو درخواست خارج ہو جاتی ہے ورنہ قاضی ریاست اس عورت کو دوسرے عقد کی اجازت دیدیتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ اسی قسم کے بعض اور بھی قوانین نافذ ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان میں محکمہ قضا کا فوراً ایک نظام قائم کیا جائے جو اس قسم کے معاملات کا فیصلہ کرے اور اسی کے سپرد کل پاکستان کی مساجد کی نگرانی بھی کی جائے۔ ائمہ مساجد کا ایک معیار تعلیم مقرر کرکے امتحان لیا جائے اور اسی شخص کو امامت کی اجازت دی جائے جو ضروری مسائل سے واقف ہو۔ یہ نظام حیدرآباد میں بھی قائم تھا اور بھوپال میں بھی ہے۔ اس قسم کے معاملات اور خاص کر اوقاف کا مسئلہ ایسا ہے کہ ان کے لئے محکمہ قضا کے قیام کی فوری ضرورت ہے۔

پاکستان نے انسداد بدکاری کے لئے جو قانون بنا کر اقدامات کئے ہیں وہ بہت قابل تعریف ہیں لیکن تشیع الفواحش کو روکنے کی بھی ضرورت ہے۔ فحش کی اشاعت کا بڑا ذریعہ سینما کے وہ فلم ہیں جن میں اس قسم کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ ایسے فلم قطعی طور پر ممنوع ہونے چاہئیں۔ مسلم پریس ایک طرف احکام شرعی کے نفاذ پر زور دیتا ہے اور دوسری طرف سینماؤں کے اشتہارات شائع کرکے تشیع الفواحش میں اعانت کرتا ہے۔ یہ امر خود مسلم پریس کے لئے بہت کچھ قابل غور ہے۔

طلوع اسلام ہمیں محترم زبیری صاحب سے اتفاق ہے کہ پاکستان میں محکمہ قضا کی ازبس ضرورت ہے۔ لیکن محکمہ قضا کے ذمہ تو اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کا کام ہوگا۔ سو جب تک آپ اسلامی قانون مرتب نہیں کرتے، محکمہ قضا کیا کرے گا؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ پرانی فقہ کے مطابق فیصلے کرے گا، لیکن کیا اسی فقہ کے مطابق جس کی رو سے بیوی کو لاپتہ خاوند کا نوے برس تک انتظار کرنا ہوگا!

[1] نوے برس کی مدت ہوگی۔ طلوع اسلام

حقیقت یہ ہے کہ اصل کام فقہ جدید کی تدوین ہے۔ جب فقہ مرتب ہو جائے گی تو عدالتیں اس فقہ کے مطابق فیصلے کریں گی انہی کا نام محکمہ قضا ہو جائے گا۔ یہ دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔

باقی رہی فواحش کی اشاعت، سو اس میں کوئی کلام نہیں کہ سینما اس اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ لیکن جن سے آپ ان فواحش کے بند کرنے کی درخواست (بالتوقع) کر رہے ہیں، ان کے گھروں سے تو ہر شام "زندہ تصویریں" عام شاہراہوں پر سینما کے خاص شو دکھانے نکلتی ہیں۔ وہ باہر کے فواحش کے خلاف اس لئے کوئی اقدام نہیں کرتے کہ اس سے انہیں پہلے گھر کے فواحش کا سدباب کرنا پڑتا ہے اور یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے کسی "مصطفےٰ کمال" کی ضرورت ہے جو قرالفض کی راہ میں حائل ہونے والی ہیری کو بیک جنبش ابرو اس کے صحیح مقام تک پہنچا دے۔

قراردادِ مقاصد

اب پھر کسی کے حسن کا چرچا ہوا تو ہے ... اس دور میں بھی عشق کا دعویٰ ہوا تو ہے

تو مضطرب کہ جلوہ ابھی عام کیوں نہیں ... میں اس پہ مطمئن کہ تقاضا ہوا تو ہے

تصویر صاف ہوگی نمودار عنقریب ... دھندلا سا ایک نقش ہویدا ہوا تو ہے

پھر ہو چلی ہے جرأتِ پرواز کی امید ... روئے نگاہ سوئے ثریا ہوا تو ہے

آثارِ سربلندیِ اسلام ہیں عیاں ... دنیا و دیں کا سلسلہ یکجا ہوا تو ہے

انجام کے لئے بھی خدا کارساز ہے ... آغازِ کار حسبِ تمنا ہوا تو ہے

پڑتی ہے جس سے وحدتِ کردار کی بنا ... اس وحدتِ نظر کا نظارا ہوا تو ہے

غیروں کے اعتراض مبارک کہ ہم میں پھر ... تائیدِ حق کا ولولہ پیدا ہوا تو ہے

آنے کو ہے دوبارہ فروغِ حرم کا دور ... باطل طلسمِ دیر و کلیسا ہوا تو ہے

افرنگ سے حجاز کی جانب پھرا ہے رُخ
قبلہ بنائے قوم کا سیدھا ہوا تو ہے

اسعد ملتانی

کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
بانگِ درا	(اقبال)	
ضربِ کلیم	״	
بالِ جبریل	״	
شکوہ	״	
اسرار و رموز	״	
زبورِ عجم	״	
پیامِ مشرق	״	
ارمغانِ حجاز	״	
پس چہ باید کرد	״	

اقبالیات

کتاب	مصنف	قیمت
ٹیگور اور اقبال (زیرِ طبع)	عارف بٹالوی	
جہانِ اقبال	(عبدالرحمٰن طارق)	10/-
حرفِ اقبال	״	3/-
اشاراتِ اقبال	(غلام دستگیر)	3/8/-
مدحِ اقبال	(ڈاکٹر یوسف حسین)	5/12/-
تصوراتِ اقبال	(شاغل فخری)	3/6/-
آثارِ اقبال	(غلام دستگیر)	3/12/-
مقامِ اقبال	״	3/12/-
اقبال اس کی شاعری اور پیغام	(اکبر علی)	2/8/-
اقبال کا تصورِ زمان و مکان	(ڈاکٹر رضی الدین)	2/12/-
اقبال اور پیامِ حریت	(محمد یوسف)	2/8/-
اقبال امامِ ادب	(رئیس احمد جعفری)	1/-
عرفانِ اقبال	(صاحبزادہ محمد بشیر مخفی)	2/8/-

اسلامیات

کتاب	مصنف	قیمت
معارف القرآن حصہ اول	(غلام احمد پرویز)	6/-
״ حصہ دوم	״	10/-
״ حصہ سوم	״	15/-
اسلامی معاشرت	״	2/8/-
دینِ اسلام	(چوہدری فضل حق)	
حکومتِ الٰہیہ	(رئیس احمد جعفری)	2/12/-
روحِ قرآن (زیرِ طبع)	غلام جیلانی	3/-
محبوبِ خدا	״	2/8
قرآن پاک کیا ہے	״	2/12/-
اسلام کے سیاسی تصورات		2/12/-
اسلام میں امامت کا تصور	([illegible])	1/8/-
تاریخِ اسلام مکمل	(شوق)	10/-
اسلام کے مشہور سپہ سالار	(عبدالواحد سندھی)	
فی حصہ		2/8
اسلام اور سود	(انوار اقبال قریشی)	2/6/-
اسلامی باتیں	(عارف بٹالوی)	2/10/-
اسلامی نظام	(پرویز)	6/4/-
رحمت اللعالمین	(مولانا سلیمان منصورپوری) کامل	16/-
الفاروق	(شبلی نعمانی)	2/8/-

پاکستان لٹریچر

کتاب	مصنف	قیمت
امیرِ پاکستان	(عارف بٹالوی)	2/4/-
ہمارا قائد	(ضیاء الدین)	2/8/-
ہمارا پاکستان		
پاکستان اور معاشیات	(عبدالقدوس ہاشمی)	
حیاتِ محمد علی جناح	(رئیس احمد جعفری)	
قائدِ اعظم محمد علی جناح	(سردار احمد)	
تصوراتِ پاکستان	(فاروقی)	

افسانے

کتاب	مصنف	قیمت
سوزِ ناتمام	(عاشق بٹالوی)	
آگ کے آغوش میں	(انور)	
جواہرات	(افضل حق)	
دیہاتی رومان	״	
کلیاں	(عصمت چغتائی)	
گورکی کے افسانے	(منٹو)	
منٹو کے افسانے	(״)	

کتاب	مصنف	قیمت
خاروگل	(دایم اسلم)	
گلِ نو	〃	
مشرابی	〃	
نیلوفر	(حسن عزیز جاوید)	
سسکیاں	〃	
مسکراہٹیں	(کوثر چاندپوری)	
اشک وشرر	〃	
نوک جھونک	〃	
آبلے	(ندیم قاسمی)	
آنچل	〃	
انگڑائیاں	〃	
زندگی کی ٹھوکریں	(رئیس احمد جعفری)	
لاش	(حجاب امتیاز علی)	
آخری اسلام	(محمد حسن عسکری)	۲/۸/-
حاقتیں	(شفیق الرحمٰن)	۲/۸
شگوفے	〃	۲/۸
پرواز	〃	۲/۸
لہریں	〃	۲/۸
کرنیں	〃	۲/۸
پولس	(عزیز احمد)	۲/-
تیدی اور دیگر افسانے		۱/۸
بابائے قوم		۲/-
بال جبریل پر ایک نظر		۱/-
نئی تحریریں		۲/-
یادِ خدا		۱/۸

کتاب	مصنف	قیمت
ذکرِ جمیل - (مجموعہ نظم جمیل واسطی پرنسپل سندھ مسلم کالج۔ کراچی)		۳/۸
ترجمان القرآن جلد دوم	مولانا ابوالکلام آزاد	۴/۸

ناول

کتاب	مصنف	قیمت
عشرت	(عارف بٹالوی)	۲/۸
کانٹوں کی سیج	(رشید اختر ندوی)	۳/۸
نشانِ راہ	〃	۲/۸
تلخیاں	〃	۳/۸
تشنگی	〃	۳/۸
نسیم	〃	۳/۸
پندرہ اگست	〃	۳/-
نسرین	〃	۲/-
ایک پہیلی	〃	۵/-
نشیمن	〃	۳/۸
کالی گھٹائیں	(احمد شجاع پاشا)	۵/-
قلوپطرہ	〃	۲/۸
عروج وزوال	(مصنظر ہاشمی)	۳/۸
فتح کے بعد (زیرِ طبع) عارف بٹالوی		
میرے بھی صنم خانے	(حمیدہ)	۶/-
موت کا جنم	(محمود ہاشمی)	۱/۸
سازِ شکستہ	(رشید اختر ندوی)	۲/۸
باغی	(رئیس احمد جعفری)	۳/۱۲
اندھا	〃	۲/۸

کتاب	مصنف	قیمت
جواری	(رئیس احمد جعفری)	۲/-
طوفان	〃	۳/۴
زندگی کی ٹھوکریں	〃	۳/۴
بچھوسے	〃	۲/۴
دل کے آنسو	〃	۱/۴
آخری رات	(دایم اسلم)	۳/-
شامِ غریباں	〃	۳/۴
شمع	〃	۵/-
شامِ سحر	〃	۵/-

تاج کمپنی لاہور کی مطبوعات

کتاب	مصنف	قیمت
حمائل شریف مترجم مجلد (فی نسخہ)		۹/-
〃 〃	〃	۵/-
〃 〃	〃	۱۲/-
〃 〃	〃	۱۵/-
〃 〃	〃	۴/-
حمائل شریف بلا ترجمہ مجلد		۵/-
〃 〃	〃	۴/-
〃 〃	〃	۶/-
〃 〃	〃	۳/-
〃 〃	〃	۲/۸/-
〃 〃	〃	۳/-
قرآن مجید مجلد بلا ترجمہ		۸/-/-
〃 〃	〃	۴/-
〃 〃	〃	۱۵/-

کتاب منزل لاہور کی نادر مطبوعات

کتاب قرآن مجید	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
قرآن مجید مجلد بلا ترجمہ	۲/-	عم کے پہلے پانچ پارے	۱/۸/-	پنجسورہ شریف مترجم عمدہ	۲/۸
" " "	۶/-	" " آخری " "	۲/-	دعائے گنج العرش رنگین	-/۱۲/-
" " "	۹/-	عم کے الگ الگ تیس پارے	۱/-	درود تاج عمدہ قسم	-/۱۲/-
" " "	۱۲/-			نماز مترجم رنگین	-/۵/-
" " " " چوب قلم	۱۸/-			درود اکبر مترجم عمدہ قسم	-/۱۰/-
" " " "	۲۲/-	قائداعظم کا ارشاد	۲/۸	مجموعہ وظائف	۳/-
" " " "	۲۵/-	کمال اتاترک (محمد توفیق مصری)	۳/۸	سیرت رسول عربی	۴/-
قرآن مجید مترجم مجلد	۲۰/-	صبح بہار (اختر شیرانی)	۳/-	طلوع اسلام حصہ اول	۳/-
" " "	۲۱/-	اخترستان "	۳/-	" " دوم	۳/-
" " "	۲۴/-	لالہ طور "	۳/-	" " سوم	۳/-
" " "	۳۰/-	طیور آوارہ "	۳/-	" " چہارم	۳/-
" " "	۲۵/-	معاشیات قرآن (ڈاکٹر ذاکر حسین)	۶/-	جامع الاخلاق	۳/-
" " "	۴/-	دیس سے باہر (آغا محمد اشرف)	۲/۸	افضل الاخلاق	۳/-
" " "	۹/-	تمدن کے آداب عرض "	۱/۱۲/-	تقدیر و تدبیر	۱/۸
" " "	۷/-	شیشہ و سنگ (فدا علی خنجر)	۲/-	اسلام کے مصارف	۲/-
" " "	۳/-	وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ (اختر شیرانی)	۴/۸	تاریخ اقوام عالم حصہ اول	۴/-
پندرہ پندرہ پاروں کی دو جلدیں	۱۸/-	دھڑکتے دل "	۳/-	" " " حصہ دوم	۵/-
دس پاروں کی جلد	۶/-	دل (رئیس احمد جعفری)	۴/-	الفاروق	۳/-
تینوں جلدیں	۲۱/-	مجاہد "	۵/-	محبوب خدا	۲/۸
پانچ پانچ پاروں کی چھ جلدیں	۱۸/-	جب خون بہہ رہا تھا (سعید بزمی)	۳/-	دین اسلام	۲/-
الگ الگ تیس پارے	۸/-	جہان نو (غلام جیلانی برق)	۳/-		
پہلے پانچ پاروں کا سیٹ	۱/۸	اسلام کا تمدنی و سیاسی نظام (سعید بزمی)	۲/-		
آخری " "	۱/۸	تاریخ انقلابات عالم حصہ اول "	۱/-		
فی پارہ	-/۵/-	" " " حصہ دوم "	۱/-		
عم کے پہلے پانچ پارے	۱/۴/-	مسدس حالی عمدہ قسم	۲/-		
عم کے آخری "	۱/۴/-	" " اعلیٰ	۲/۸		

ملنے کا پتہ

عارف پبلشنگ ہاؤس

رابسن روڈ۔ کراچی

رفتارِ عالم

(اشاعتِ گذشتہ میں علامہ اقبالؒ سے متعلق مضامین کی وجہ سے "رفتارِ عالم" کا عنوان نہیں دیا جا سکا تھا۔ اشاعتِ رواں میں اپریل اور مئی دونوں ماہ کے کوائف کا جائزہ لیا گیا ہے۔ — مدیر)

استصوابِ کشمیر سے پہلوتہی

کشمیر میں جنگ بند ہوئے پانچ ماہ ہو رہے ہیں، سابھی تک دوسرے قدم یعنی عارضی صلح کے سمجھوتے سے متعلق کامیابی نہیں ہو سکی۔ ہندوستان و پاکستان نے اس سلسلہ میں اپنے اپنے نقطہ ہائے نگاہ کمیشن کو پیش کئے جن میں اس قدر تضاد تھا کہ سمجھوتے کے مسودے میں تاخیر واقع ہو گئی۔ ۲۵ مارچ کو کمیشن نے دونوں حکومتوں پر زور دیا کہ وہ عارضی صلح کے سمجھوتہ جلد طے کریں تاکہ استصواب سے متعلق کارروائی بغیر تاخیر کی جا سکے۔ ۲۸ اپریل کو کمیشن نے پاکستان و ہندوستان کو عارضی صلح کے سمجھوتہ کے متعلق اپنی نئی (آخری) شرائط پیش کرتے ہوئے ایک ہفتہ کے اندر اندر جواب طلب کیا۔ کمیشن نے نئی تجاویز پیش کرتے ہوئے اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ "مزید گفتگو سے کوئی فائدہ نہیں، اس لئے ان تجاویز کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر لیا جائے" اتفاق سے یہ تجاویز ایسے وقت میں بھیجی گئیں جبکہ دونوں مملکتوں کے وزرائے اعظم دولت مشترکہ کی کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے ہوئے تھے۔ لہذا جواب کی تاریخ میں توسیع کر دی گئی۔

ناظم استصواب نمٹز کے متعلق پہلے یہ اطلاع آئی تھی کہ وہ اپریل کے اواخر تک برصغیر ہند و پاک روانہ ہو جائیں گے، ہندوستانی حلقوں سے اسی وقت خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں کہ ان کی روانگی غیر معین عرصہ کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔ یہ خبریں درست نکلیں۔ ۲۸ اپریل کو ناظم نے نائب ناظم کے عہدہ کے لئے امریکی فوج کے سابق میجر جنرل ہیری جے میلونی کے تقرر کا اعلان کیا۔ میجر جنرل موصوف کو یونان میں انتخاب کا تجربہ ہے۔ امیر البحر نے اپنے ایک بیان میں ۱۹۵۰ء کے بہار یا گرما میں استصواب کرانے کا اعلان کرتے ہوئے یہ یقین دلایا کہ وہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب کرائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ناظم کی روانگی کی تاریخ ۷ مئی مقرر کی گئی لیکن تاحال کوئی ایسے آثار نظر نہیں آتے جن سے یہ ظاہر ہو کہ وہ جلد روانہ ہونے والے ہیں۔

کشمیر میں التوائے جنگ سے ہندوستان و پاکستان میں جو خوشگوار فضا پیدا ہو گئی تھی اسے درہم برہم کرنے کے لئے ہندوستانی اخبارات اور سری نگر ریڈیو پوری طرح سرگرم ہیں۔ ریاست کی تقسیم کو طے شدہ فرض کرتے ہوئے

اس کی تفاصیل نشر کی جا رہی ہیں۔ ۲۹ مارچ کو حکومتِ ہندوستان کے دو نمائندوں کی رپورٹ منظرِ عام پر آئی جو ریاست کا دورہ کرنے کے بعد مرتب کی گئی تھی۔ اس میں بتایا گیا کہ ہندوستان استصواب نہیں جیت سکے گا۔ اس کے اندازے کے مطابق ہندوستان کے حق میں دس فیصدی سے زیادہ مسلمان ووٹ نہیں دیں گے۔ رپورٹ میں ہندوستان کو یہی راہ سمجھائی گئی کہ وہ کوشش کرے تاکہ جموں اور وادیٔ کشمیر ہندوستان کو مل جائیں۔ ۱۲ مئی کو پاکستان کے ایک انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے کہ جس کا سرمایہ ہندوستانی ہے اور قلم برطانوی، اپنے نامہ نگار دہلی کے حوالے سے یہ سنسنی خیز خبر شائع کی کہ لندن میں ہندوستان و پاکستان میں تقسیم کے متعلق سمجھوتہ ہو چکا ہے اور وزرائے اعظم کی واپسی پر حد بندی کی تفاصیل طے کی جائیں گی۔ اس خبر سے قدرتی طور پر پاکستان میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا کیونکہ پاکستان کے ذمہ دار قائدین بارہا تقسیم کی تجاویز کی شدید مخالفت کر چکے ہیں۔ اس خبر کی اشاعت کے بعد بھی اس مخالفت کا اظہار کیا گیا۔ عوام کو یقین دلایا گیا کہ حکومت استصواب کے سوا کسی طریقِ کار پر آمادہ نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی پاکستانی اخبارات کے احتجاج پر اخبار مذکور کی اشاعت تین ماہ کیلئے قانوناً بند کر دی گئی۔

ناظمِ استصواب کے "قریبی حلقوں" نے ہندوستان کی مطلوبہ تقسیم کو ناممکن تو بتا دیا ہے لیکن اس سلسلہ میں یونائیٹڈ پریس آف امریکہ نے جو خبر دی ہے اس میں سطور ذیل معنی خیز ہیں۔

> اگر تقسیم کی ضرورت ہوئی تو پاکستانی بلاشبہ اس پر رضامند ہو جائیں گے کہ انہیں کشمیر بمعہ وادی مل جائے اور ہندوستان صرف جموں لے لے۔ اس کے برعکس ہندوستان اپنے موجودہ مقبوضات کی بنا پر ہی تقسیم منظور کرے گا تاکہ پاکستان کو شمال مغربی کشمیر کا صرف چھوٹا سا ٹکڑا مل سکے۔

ناظمِ استصواب کے قریبی حلقوں کی یہ رائے پاکستان کی رضامندی کی مظہر ہے یا پاکستان کو ایک انتباہ ہے۔ نتیجہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا۔

آزاد کشمیر کی افواج کو غیر مسلح کرنے کے بارے میں ہندوستان کا رویہ سخت تر ہو گیا ہے۔ ۱۵ اپریل کو وزیرِ اعظم ہندوستان پنڈت نہرو نے پارلیمان میں غیر مبہم اعلان کیا کہ آزاد افواج کو توڑ دیا جائیگا اور ان کو غیر مسلح کر دیا جائیگا۔ اس معاملہ میں ہندوستان پاکستان پر وعدہ شکنی کا الزام لگا رہا ہے۔ اس کے بعد ہندوستان نے کمیشن کو لکھا کہ عارضی صلح کے سمجھوتے کے متعلق مزید گفتگو بند کر دی جائے کیونکہ اس کے عائد کردہ الزام کے مطابق پاکستان نے التوائے جنگ کے حکم کی کئی بار خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے جب تک خلاف ورزی کے ان واقعات کی تحقیقات نہ کر لی جائے عارضی صلح کے مذاکرات ملتوی کر دیئے جائیں۔ کمیشن کی طرف سے اعلان ہوا کہ جانبین کی طرف سے کوئی اہم خلاف ورزی نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود ہندوستان کے رویہ میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ ۲۰ مئی کو ڈیرہ دون میں تقریر کرتے ہوئے نہرو نے پھر ان بے بنیاد الزامات کو دہرایا ہے کہ غیر کشمیری

"حملہ آور (مجاہدین) کشمیر میں بدستور موجود ہیں اور پاکستان عارضی صلح کے معاہدہ کی بدستور خلاف ورزی کر رہا ہے لہٰذا استصواب ناممکن العمل ہے۔"

افغانستان کی فتنہ انگیزی

کشمیر میں حالات کی اس پریشان کن رفتار کے ساتھ مارچ میں پاکستان کے مسلمان ہمسایہ، افغانستان نے کسی اشتعال کے بغیر پاکستان کے خلاف اعصابی جنگ کا آغاز کیا۔ فقیر ایپی کے ساتھ جو تصادم ہوا تھا اس کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے ساتھ پاکستان کے خلاف متفرق قسم کے الزامات کابل ریڈیو اور سرکاری اخبارات کی وساطت سے نشر کئے گئے۔ ۲۳ مارچ کو حکومتِ پاکستان نے اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے حکومتِ افغانستان کو لکھا کہ "ڈیورنڈ لائن کے ورے بسنے والے قبائل کے نیک و بد کا ذمہ دار پاکستان ہے نہ کہ افغانستان۔" خود قبائلیوں نے پاکستان سے مکمل وفاداری کا اعلان کیا اور افغانستان کے خلاف غصے اور نفرت کا اظہار کیا۔

قیامِ پاکستان کے وقت بھی افغانستان نے پٹھانستان کی حمایت میں پاکستان کے داخلی معاملات میں دخل دینے کی کوشش کی تھی۔ افغانستان واحد ملک ہے جس نے ادارۂ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی تھی۔ بعد میں اُسے اپنے اس رویہ پر بہت پشیمان ہونا پڑا۔ گذشتہ سال اس نے حکومتِ پاکستان کو مشورہ دیا کہ صوبہ سرحد کا نام بدل کر پٹھانستان رکھ دیا جائے۔ پاکستان نے قدرتی طور پر اسے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد کابل کا رویہ کچھ مصالحانہ ہو گیا تھا لیکن اس سال کے آغاز سے اس نے پھر معاندانہ رویہ اختیار کر لیا۔ افغانستان کے اس تمام پیچ و تاب کا سبب اس کا اپنا داخلی اضطراب ہے۔ پاکستان اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود ایک جمہوری ملک ہے۔ افغانستان کے مقابلہ میں یہ بہت زیادہ خوشحال اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ افغانستان سیاسی اور معاشی اعتبار سے پسماندہ ہے۔ شاہی خاندان کے لئے عوامی اضطراب کی سبب پناہیوں سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ افغانیوں کو دوسرے (دوسروں کے) مسائل میں الجھائے رکھا جائے۔ اس کے علاوہ افغانستان کی اس اعصابی جنگ کے پیچھے "دستِ غیب" بھی کارفرما ہے۔ پچھلے دنوں ایک روسی جریدہ "نیو ٹائمز" نے یہ بے پرکی اڑائی تھی کہ برطانیہ پاکستان میں افغانستان کی سرحدوں کے ساتھ فوجی اڈے قائم کر رہا ہے۔ اس سے مقصود دونوں ہمسایہ ممالک میں غلط فہمی پیدا کرنا تھا۔ ایک اطلاع کے مطابق روسی کپڑا جو افغانستان میں درآمد کیا گیا ہے، قبائلی لوگوں میں بہت سستے داموں بیچا جا رہا ہے۔ ہندوستان اور افغانستان کے "تجارتی" تعلقات بھی استوار ہو رہے ہیں۔ پاکستان کا رویہ افغانستان سے متعلق آبرومندانہ و دوستانہ ہے۔ ان ہی دنوں ظاہر شاہ کی آنکھوں میں تکلیف ہو گئی تو پاکستان نے برطانوی معالجِ چشم کو اپنے خاص جہاز میں کابل بھیجا لیکن ظاہر شاہ کا مرضِ چشم طبی ڈاکٹر کے بس کا روگ ہے یا اس کی تسکین کے لئے نشترِ جگیری کی ضرورت ہو گی، اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔

افغانستان نے اپنے سفارتی عملہ کو پاکستان سے بلا لیا ہے۔ اس موقع پر پاکستان کی بیرونی سفارتوں کی نااہلی کو بری طرح محسوس کیا جا رہا ہے۔ افغانستان سے سفارتی تعلقات کے انقطاع کی جو اطلاعات آتی رہی ہیں اگر وہ غلط ہیں تو ضرورت ہے کہ پاکستان اپنے سفراء کے تقرر میں سابقہ معیاروں کو ترک کر دے اور ان اہم مناصب کے لئے ایسے اشخاص کا انتخاب کرے جو ہر اعتبار سے ان کے اہل ہوں۔ اس کے علاوہ قبائلی علاقہ کے مسائل کی طرف بھی فوری توجہ کی ضرورت ہے تاکہ ان کی مشکلات بدخواہانِ پاکستان کے عزائم کو تقویت نہ دے سکیں۔

پاکستان کے پسماندہ علاقے

قبائلی علاقوں کے ساتھ ہی گلگت بھی ہماری فوری توجہ کا محتاج ہے۔ وہاں پسماندہ لوگوں کی ترغیب اور اس کے بعد اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اور علاقوں کی طرح جاگیرداری نظام وہاں بھی مسلط ہے۔ عوام کی خستہ حالت سے غیر ملکی (بالفاظِ صحیح تر پاکستان کے کیمونسٹ ہمسائے) فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ صورت پاکستان کے لئے پرخطر ہوگی۔ یہاں پر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ چین میں کیمونسٹوں کی فتح سے سنکیانگ سے ترک پناہ گزین گلگت میں داخل ہو رہے ہیں۔ گلگت میں خوراک کی سخت قلت ہے۔ پناہ گزینوں کے اس داخلہ سے پاکستان کی مشکلات اور بڑھ جائیں گی۔ اور پھر اس امکان سے بھی آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں کہ ان پناہ گزینوں میں کیمونسٹ ایجنٹ بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

....اور ریاستیں

پسماندہ علاقوں اور ریاستوں کے متعلق حکومتِ پاکستان کی روش اب تک بے نیازی اور تذبذب کی رہی لیکن کچھ عرصہ سے اس روش میں جو تبدیلی کی گئی ہے اسے صریحاً "نواب نوازی" کہا جا سکتا ہے۔ بہاولپور، خیرپور، قلات اور صوبہ سرحد کی ریاستہائے چترال، دیر، سوات، امب اور پھلیرہ پاکستان میں شامل ہو چکی ہیں لیکن ان کے اور پاکستان کے کوائف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان ریاستوں میں شخصی اقتدار کی گرفت سخت تر ہوتی جا رہی ہے۔ وہی مسلم لیگ جو غیر ریاستی پاکستان میں سرکاری سایہ میں پرورش پا رہی ہے، ریاستوں میں دبائی جا رہی ہے۔ پچھلے دنوں بہاولپور میں اصلاحات نافذ کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔ ان اصلاحات کو بہاولپور مسلم لیگ نے مسترد کر دیا۔ ۱۰ر اپریل کو پاکستان ریاستی مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ نے ریاستوں میں جاگیرداری اور زمینداری نظاموں کی مکمل تنسیخ کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبہ میں بہاولپور اور خیرپور پر خاص زور دیا گیا۔ خیرپور اور قلات میں مداخلت کے لئے حکومتِ پاکستان سے اپیل کی گئی لیکن اس احتجاج کا "جواب" پاکستان کی طرف سے یہ دیا گیا کہ ۲۵ر مارچ کو وزیرِ اعظم محترم لیاقت علی خان نے پہلی بار بہاولپور کا دورہ کیا اور اعلان شدہ اصلاحات کو سراہتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ جس قدر حقوق بہاولپور میں عوام کو دیئے گئے ہیں وہ پاکستانی عوام کو بھی حاصل نہیں۔ انہوں نے بہاولپوری عوام کے سامنے "حلوہ خوردن را روئے باید" (First deserve, then desire) کا معیار پیش کیا یعنی مطالبہ کرنے سے پیشتر استحقاق

پیدا کرو۔ اس کا موزوں ترین جواب ریاستی لیگ نے یوں دیا کہ ریاستی عوام ریاستی حکمرانوں سے زیادہ حکومت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ریاستی احتجاج کا منہ بند کرنے کے لئے چوہدری خلیق الزماں کی مسلم لیگ نے ریاستوں میں براہ راست شاخیں کھولنے کا فیصلہ کیا۔ اس اقدام کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ نوابوں کے تعیش میں کوئی مخل نہ ہو سکے اور ریاستوں میں ذمہ دار حکومتوں کے قیام کو معرض التوا میں ڈالا جائے۔ ریاستی لیگ نے اس اقدام کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ریاستی لیگ کو بحال رکھنے کا فیصلہ کیا۔ گویا مسلم لیگ جس طرح پاکستانی صوبوں میں مسلمانوں میں تفریق کا موجب بنی ہے اسی طرح اب پاکستانی ریاستوں میں وجہ انتشار بن رہی ہے۔

ریاستی سیاست کا دلچسپ ترین واقعہ یہ ہے کہ صوبہ سرحد کی ریاستہائے امب اور پھلرہ سے مسلمان مہاجرین مسلمان حکمرانوں کے دست تطاول کا شکار ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچ رہے ہیں۔

اگر ریاستی حالات پر توجہ ہیں اس بہشت کا جو کشمیر کو شمولیت پاکستان کے بعد حاصل ہوگی تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کشمیری عوام اس الحاق پاکستان کا انتخاب کتنی بار سوچنے کے بعد کریں گے۔ ریاستی معاملات کی اصلاح نہ صرف اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس پامال مخلوق کو آزادی کے انعام سے متمتع نہ ہونے دینا غیر انسانی فعل ہے بلکہ اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اسی خاکے پر ہم استصواب کشمیر میں کشمیریوں کے ووٹ حاصل کر سکیں گے۔

انتشارِ ملت پاکستان مسلم لیگ کی تنظیم جدید سے نفاق کا جو بیج بویا گیا تھا وہ اپنا پھل لا رہا ہے۔ مسلم سیاست کئی کیمپوں میں منقسم ہو چکی ہے اور ابھی اور متحارب گروہ منظر عام پر آ رہے ہیں۔ پاکستان کے دارالحکومت کی لیگ دھینگا مشتی کا نمونہ پیش کر چکی ہے جس پر اسے معطل کر دیا گیا ہے۔ بلوچستان کے قبائلیوں نے اپنی تنظیم الگ کر لی ہے۔ ۲۲ر اپریل کو بلوچستان کے لئے موجودہ مجلس مشاورت کا اعلان کیا گیا۔ یہ مجلس پندرہ حضرات پر مشتمل ہے جن میں نو مسلم لیگی، پانچ شاہی جرگہ کے نمائندے اور ایک اقلیتوں کا نمائندہ ہے۔ اس مجلس کے ارکان کے ناموں کا اعلان ہوتے ہی اس خدشے کا اظہار کیا گیا تھا کہ یہ ارکان متضاد مفادات کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لئے یقین نہیں کہ مجلس اپنا کام بخوبی چلا سکے گی۔ لیگ اور سرداروں کے تعلقات پہلے ہی اچھے نہ تھے۔ اب ان کے مناقشات اور بڑھ گئے ہیں۔ بلوچ سرداروں نے اپنی تنظیم قبائلی فیڈریشن کے نام سے کی ہے، اپنے آپ کو بلوچستان کی ۹۵ فیصدی آبادی کے نمائندے سمجھتے ہیں۔ لیگ اس فیڈریشن کو تسلیم نہیں کرتی اور اپنے آپ کو بلوچستان کی واحد نمائندہ جماعت کہتی ہے۔ ۳ر مئی کو قبائلی فیڈریشن نے مجلس مشاورت سے مقاطعہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ کشیدگی اور تلخی کے ان جذبات کا نتیجہ وہ حالات ہوں گے جو سندھ اور پنجاب میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور جن کی گرفت میں سرحد بھی آ چکا ہے۔

سرحد میں مسلم لیگ کے اندر حزب مخالف قائم ہو چکا ہے۔ مخالف حکومت عناصر مشترکہ محاذ بنا رہے ہیں۔

ان عناصر نے جن میں پیر مانکی شریف اور خان ثمین جان بھی شامل ہیں، سرحد میں متوازی لیگ قائم کر لی ہے۔ مارچ میں سرحد میں جس "سازش" کا انکشاف ہوا تھا اور جس کے سلسلہ میں کئی ایک ممتاز اشخاص کو گرفتار کیا گیا تھا، اب ان اشخاص کو رہا کر دیا گیا ہے کیونکہ سی آئی ڈی کو ان کے خلاف کوئی مواد نہیں مل سکا۔ قیوم وزارت صوبے میں جاگیروں کو ضبط کر لینے کا اعلان کر چکی ہے۔ مخالف گروہ سابقہ تجربات کی روشنی میں اس اقدام کو انتقامی سمجھنے پر مجبور ہے۔ وہ اسے ایک فریب ([illegible]) کہہ رہا ہے جس سے مقصود صرف غریب مزارعین کی آسان حمایت حاصل کرنا ہے۔

۲، ۳ اپریل کو لائل پور میں ۸۵ ارکان کے اجتماع میں مغربی پنجاب مسلم لیگ میں ایک "ترقی پسند محاذ" قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس اجتماع میں لیگ کے تسفل پر بحث کرتے ہوئے "موقع شناس لیڈروں کو ختم کر دینے" کا فیصلہ کیا گیا اور نصب العین "خدمتِ جمہور" رکھا گیا۔ اس محاذ کے سلسلہ میں قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ اس میں چوٹی کے احرار، یونینسٹ، کمیونسٹ اور مایوس لیگی شامل ہیں۔ مغربی پنجاب میں کئی ایک اور دبی ہوئی تنظیمیں پھر ابھر رہی ہیں جن میں مشرقی کی تحریکِ خاکساران اور زمیندارہ لیگ قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذکر انڈو پاکستان اسلام لیگ اور آخر الذکر ایوانِ زراعت کے لبادے میں ظاہر ہوئی ہے۔ پنجاب کے علاوہ سندھ کے جاگیرداروں نے بھی اپنے اجاروں کو بچانے کے لئے الگ تنظیمیں کر لی ہیں۔

مسلم لیگ کا تسفل

مغربی پنجاب مسلم لیگ کی صدارت سے میاں ممتاز دولتانہ نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ۱۷ اپریل کو صوبائی کونسل کے ایک اجلاس میں میاں عبد الباری کو متفقہ طور پر صدر منتخب کر لیا گیا۔ چودھری خلیق الزماں نے مغربی پنجاب لیگ کونسل کی رکنیت سے ان حضرات کو محروم کر دیا ہے جو اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے (بوجہ عہدہ) اس کے رکن تھے۔ چودھری صاحب کے فیصلے کے مطابق اسمبلی معطل ہو جانے کے بعد ان ارکان کی رکنیت بھی ختم ہو گئی ہے۔ اس موقع پر یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اسی معطل شدہ اسمبلی کے ارکان مرکزی لیگ کے بدستور رکن ہیں اور انہی کے ووٹوں سے چودھری صاحب صدر منتخب ہوئے ہیں۔ نئے صدر نے صوبے کے مسلم لیگیوں سے 'وفاداری' اور 'ایمانداری' کا تحریری حلف لیا ہے لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ پنج نکاتی تحریری حلف لیگ کارکنوں کی قلب ماہیت میں کس حد تک ممد ہوتا ہے۔ اس حلف پر چودہ سو میں سے صرف دو سو کونسلروں نے دستخط کئے ہیں۔ صوبائی مسلم لیگ کے ایک وفد نے گورنر سے ملاقات کر کے درخواست کی ہے کہ مسلم لیگ کو حکومت اور عوام کے مابین بحیثیت ایک رابطہ تسلیم کیا جائے۔ گورنر سے "سند" کا وعدہ لے کر ایک وفد مرکزی وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین کی خدمت میں یہ عرض لے کر حاضر ہوا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے انکشاف کیا کہ صوبائی حکومت کے نام احکام جاری کئے جا چکے ہیں کہ وہ انتظامی امور میں مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرے۔ خواجہ صاحب نے یہ وعدہ بھی فرمایا کہ وہ ہر ماہ

پنجاب تشریف لے جایا کرینگے اور بچشم خود ملاحظہ فرمایا کرینگے کہ مسلم لیگ کا تعاون حاصل کیا جا رہا ہے یا نہیں۔

ایک سیاسی جماعت عوامی مطالبات کا ساتھ دیکر عوامی جماعت بن جاتی ہے اور از خود حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ لیکن مسلم لیگ یہ مقام خدمت عوام سے نہیں بلکہ سرکاری سندسے حاصل کرنا چاہتی ہے، عوام سے دور اور ان کے مزاج سے بیگانہ رہ کر لیگ کو پہلی بار ایک دھکا لگا ہے۔ مشرقی بنگال کی صوبائی اسمبلی کے ایک ضمنی انتخاب میں لیگ امیدوار کو شکست ہوگئی ہے لیکن چودہری خلیق الزمان کو ابھی تک یہ تسلیم کرنے سے انکار ہے کہ ان کی جماعت بے وقار ہو چکی ہے۔ وہ اس شکست کو عوام کی بداعتمادی کا مظہر نہیں سمجھتے۔

گورنر پنجاب اور مسلم لیگ

مغربی پنجاب میں دفعہ ۹۲-الف کا نفاذ اور (غیر پاکستانی) گورنر کا راج آئین جمہوریت کے قواعد کی رو سے کس حد تک "مذموم" امور ہیں، یہ جداگانہ بحث ہے اگر یہ صورت حال لعنت ہے، جیسا کہ مسلم لیگ کے حلقوں میں کہا جا رہا ہے تو "اسے باد صبا این ہمہ آوردۂ تست" کے مصداق یہ لعنت مسلم لیگ ہی کی مسلط کردہ ہے۔ اس صورت حال کی ذمہ داری تنہا کسی پر رکھی جا سکتی ہے تو وہ مسلم لیگ ہے۔ مسلم لیگ کی وزارت اٹھارہ مہینوں تک جن سیاہ کاریوں میں مصروف رہی اور مسلم لیگ صدارت ہوس اقتدار کا جس قدر خبیث پیکر بن گئی تھی اس کا ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا۔ اور وہ یہی ہے جس سے آج چند ماہ سے ہم دوچار ہیں۔ مسلم لیگ اپنی ہر دلعزیزی اور عزت ضائع کر چکی ہے اور اس ضیاع کی علت العلل اس کی جوہر بے عملی اور بد تر مسلک بے راہروی ہے۔ مسلم لیگ کا یہ دور ذلت اس پر خارج سے مسلط نہیں ہوا بلکہ یہ اس کی اپنی بدکرداریوں کا نتیجہ ہے۔ مغربی پنجاب کو قعر مذلت میں گرا دینے کے باوجود مسلم لیگ کو ہوش نہیں آیا اور وہ بدستور سر میں حکمرانی کا سودا لئے پھرتی ہے۔ چنانچہ اس کی طرف سے مطالبہ ہو رہا ہے کہ گورنر راج کی غیر آئینیت کو کم کرنے کیلئے مسلم لیگی مشیروں کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ پچھلے دنوں مغربی پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سکرٹری نے جب یہ مطالبہ کیا تو ہم نے اسے غیر سنجیدہ سمجھتے ہوئے شائستہ اعتنا نہیں سمجھا تھا کیونکہ جس مسلم لیگ کی وزارت اور صدارت نے صوبے کو اس لعنت میں گرفتار کرایا ہے اس کے مشیروں کا تقرر "آزمودہ را آزمودن جہل است" سے کم نہیں۔ جنرل سکرٹری کا یہ مطالبہ اب مجلس عاملہ کی قرارداد کی صورت بھی اختیار کر چکا ہے۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ یہ مطالبہ مسلم لیگ کا ہی نہیں بلکہ حکومت نے مسلم لیگ کو اس مضمون کی دعوت بھی دے رکھی ہے۔

۲۴ مئی کو ایک بیان دیتے ہوئے محترم لیاقت علی خاں نے یہ انکشاف فرمایا۔

(مغربی پنجاب میں) آئین معطل کر دینے کے دوسرے دن ہی مسلم لیگ کا ایک وفد (لاہور میں) مجھ سے ملا۔ ... میں نے اس وفد سے کہا کہ وہ مجھے ایسے اشخاص کے نام دیں جنہیں میں غیر سرکاری مشیر مقرر کر سکوں۔ فروری میں ایک وفد مجھ سے کراچی میں ملا۔ میں نے اس دعوت کو دہرایا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ مغربی

پنجاب مسلم لیگ نے آج تک ایسا نہیں کیا۔ . . . میں مسلم لیگ کو پھر دعوت دیتا ہوں کہ وہ موزوں حضرات کے نام پیش کرے تاکہ ان میں مشیر چننے کے مسئلہ پر غور کیا جاسکے۔

میر نے اپنی جس سادگی کا اس شعر میں ذکر کیا تھا،

میر سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

تو وہ سادگی انہیں کے زمانہ یا انھیں کی ذات سے مختص نہ تھی بلکہ آج بھی اسی سادگی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ پوچھا جاسکتا ہے کہ جب مسلم لیگ ہی نے مغربی پنجاب کو ڈبو دیا تو اب اس جماعت کے سر پر کونسا سرخاب کا پر لگ گیا ہے کہ اس کے مشیر صوبے کے نظم و نسق کے لئے ضروری سمجھے جارہے ہیں۔ نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جو مسلم لیگ گورنر اور وزیر داخلہ پاکستان سے مل کر سرکاری سند حاصل کرنے کیلئے اس قدر مضطرب اور پریشان ہے وہی مسلم لیگ وزیر اعظم پاکستان کی دعوت پر اپنے نامزدگان کی فہرست کئی ماہ تک پیش نہیں کر سکی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ ایسے موزوں حضرات پیش ہی نہیں کر سکتی؟ اور اگر بالفرض وہ کر سکتی ہے اور نہیں کرتی تو یہ کیا ضروری ہے کہ مسلم لیگ ہی کے نامزدگان بطور مشیر مقرر ہوں۔ کیا صوبے میں ایسے اصحاب موجود نہیں جو مسلم لیگ کی سفارش کے بغیر مشیر مقرر کئے جاسکیں؟

بین الملکتی کانفرنس دہلی

۲، ۳، ۴ اپریل کو دہلی میں ایک بین المملکتی کانفرنس ہوئی جس میں دونوں مملکتوں کے وزراء بھی شریک ہوئے۔ تین روز کی بحث و تمحیص کے بعد ۲۷ امور زیر بحث میں سے پنشنوں اور کیش سرٹیفکٹوں کی ادائیگی، سرکاری ملازموں کی قابل وصول رقوم کی وصولی کا انتظام اور ذخائر کی تقسیم سے متعلق سمجھوتے ہو گئے۔ پاکستان و ہندوستان سے انخلا کنندگان کی جائدادوں کی فروخت اور تبادلے کے متعلق عمومی خطوط پر کراچی میں جو سمجھوتہ ہوا تھا اس پر کوئی مزید سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ حیدرآباد نے جو بیس کروڑ کی "سیکیورٹیاں" پاکستان کے نام منتقل کی تھیں اور جنھیں ہندوستان نے حیدرآباد پر قبضہ کر لینے کے بعد منسوخ کر دیا تھا، ان کا مسئلہ لاینحل رہا۔ اس مسئلہ کو ہندوستان ختم سمجھتا ہے اور پاکستان مصر ہے کہ ہندوستان کو ان کی تنسیخ کا حق نہیں تھا۔

انقلاب شام

اسرائیل کے ساتھ مصر، لبنان اور شرق اردن الگ الگ عارضی صلح کے سمجھوتے پر دستخط کر چکے تھے اور شام کے ساتھ صلح کی گفتگو ہونے والی تھی کہ وہاں ایک پرامن "انقلاب" کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ ۳۰ مارچ کو شامی افواج کے کمانڈر اعلیٰ کرنل حسنی الزعیم نے یک لخت کسی مزاحمت کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ حسنی الزعیم نے انقلاب کو ایک "خالص داخلی معاملہ" بتایا جس کا عرب یا دوسری بیرونی حکومتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ کچھ روز تو شام کے اس "داخلی" انقلاب کے محرکات پر پردہ پڑا رہا لیکن اس کے بعد کی اطلاعات اور واقعات سے یہ پتہ چلا کہ اینگلو امریکن بلاک کی جنگ اقتدار میں شام کے اس انقلاب کو اہم حیثیت

حاصل ہے۔ چنانچہ اس انقلاب پر برطانیہ و امریکہ میں کسی اضطراب کا اظہار نہیں کیا گیا بلکہ اس کی خبر دلی تسکین کے ساتھ سنی گئی۔ برطانوی حاشیہ بردار شاہ عبداللہ والئے شرق اردن نے بھی اس خبر پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب شام عظمیٰ یعنی شام، عراق، لبنان اور شرق اردن کے اتحاد کا تخیل توقعات سے جلد تر عالم وجود میں آجائے گا۔ الزعیم نے خود بھی شام عظمیٰ کے قیام کا خیر مقدم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ کچھ روز کے بعد شرق اردن اور شام کے تعلقات میں یک لخت کشیدگی پیدا ہو گئی۔ شام اور شرق اردن کی سرحد بند کر دی گئی اور شام میں وسیع پیمانے فوجی بھرتی شروع کر دی گئی۔ الزعیم نے مصر کا دورہ کیا جس کے بعد انہوں نے شرق اردن کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا اور شاہ عبداللہ پر ذاتی حملہ تک کرنے سے گریز نہ کیا۔ ایک بیان میں انہوں نے شرق اردن کو شام کا حصہ بتایا۔

کرنل الزعیم کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی شام عظمیٰ کی تحریک کے حامی ہیں جس کے علمبردار شاہ عبداللہ ہیں اور جس کی تصنیف کا سہرا (اغلباً) عراق کے وزیر اعظم نوری السعید کے سر ہے۔ الزعیم اور عبداللہ کے شام عظمیٰ میں کوئی فرق نہیں۔ فرق اگر ہے تو یہ کہ ایک کا مرکز شام اور دوسرے کا شرق اردن ہے۔ ایک کو امریکہ اور دوسرے کو برطانیہ کی حمایت حاصل ہے۔

کرنل موصوف نے شروع میں اعلان کیا تھا کہ وہ صحیح جمہوری حکومت قائم کر کے دستبردار ہو جائیں گے لیکن فوجی آمریت شام پر مسلط ہو گئی ہے۔ نئی مرتب شدہ حکومت میں کرنل حسنی خود امیر حکومت ہیں۔ اس حکومت کو سعودی عرب، البنان، مصر، یمن اور افغانستان تسلیم کر چکے ہیں۔ شاہ عبداللہ نے عربوں سے ہٹ کر ترکوں کا سہارا لینے کی کوشش کی اور اعلان کیا کہ وہ عنقریب ترکی کا دورہ کرے گا لیکن ترکی نے اس فیصلہ کو پسند نہیں کیا کیونکہ ترکی موجودہ حالات میں عربوں کی پارٹی بازی میں نہیں الجھنا چاہتا۔ چنانچہ یہ دورہ ترک کر دیا گیا ہے۔

عرب سیاست

عراق میں نوری السعید کے برسر اقتدار آجانے سے (جنوری ۱۹۴۹ء) برطانیہ اور شاہ عبداللہ کے حق میں فضا سازگار ہو چکی ہے۔ حال ہی میں مصری اخباروں نے نوری السعید سے استعفیٰ کا مطالبہ کیا ہے کیونکہ ان کی رائے میں وہ "عربوں کے اتحاد میں رکاوٹ ہیں" اور "فلسطین میں عربوں کی ناکامی کے وہی ذمہ دار ہیں"۔ مصر میں خشابہ پاشا کی شرکت وزارت سے (مارچ ۱۹۴۹ء) مصر کی فضا کے بھی برطانیہ کے حق میں ہو جانے کی قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ مصر میں اخوان المسلمین پر سخت تشدد برتا جا رہا ہے۔ اس وقت ہزاروں بلا مقدمہ جیلوں میں بند ہیں اور ہزاروں متعدد الزامات کی بنا پر مقدموں میں ماخوذ۔ یہ جماعت مصر کو برطانوی اثر و نفوذ سے آزاد دیکھنا چاہتی تھی۔

۱۹۴۸ء کا کارنامہ؟

عربوں کے باہمی افتراق سے یہود نے اپنی حیثیت مضبوط تر کر لی ہے اور اب وہ فلسطین میں اپنی حدیں وسیع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جن مصری اخباروں کا

ذکر بھی گذر چکا ہے انھوں نے عرب ممالک سے اپیل کی ہے کہ وہ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں کیونکہ یہودی انگریزوں اور امریکی قرضہ کے بل بوتے پر اپنے پاؤں پھیلا رہے ہیں۔ ۱۲ مئی کو اسرائیل کو ادارہ اقوام متحدہ کا ۵۹ واں رکن بنا لیا گیا۔ پاکستان نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اسرائیل کی رکنیت کے مسئلہ کو خزاں کے اجلاس تک ملتوی کر دیا جائے کیونکہ بعض مسائل کے متعلق اسرائیل کی پوزیشن واضح نہ تھی۔ یروشلم کو بین الاقوامی بنانے کی جو تجویز نومبر ۱۹۴۷ء میں تسلیم کی جا چکی تھی، جنرل اسمبلی کے تازہ اجلاس میں اسرائیلی نمائندہ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ جب وہ تجویز منظور کی گئی تھی حالات مختلف تھے۔ "اب حالات بہت کچھ بدل چکے ہیں۔ ان کا رخ اب پلٹا نہیں جا سکتا" عرب مہاجرین کی واپسی کے متعلق بھی اسرائیل کا رویہ مخالفانہ ہے۔ بہر حال ۱۲ کے مقابلہ میں ۳۷ کی اکثریت سے اسرائیل اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔ ۹ ممالک رائے میں غیر جانبدار رہے جن میں برطانیہ اور ترکی بھی شامل ہیں۔ صدر ٹرومین کے الفاظ میں اسرائیل کی رکنیت ۱۹۴۸ء کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۲۹ مارچ کو ترکی نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا تھا۔ خود عربوں نے اپنے مفاد ملی کی خاطر جس بے دلی، فقدان عزم اور عدم تدبر کا ثبوت دیا ہے اس سے ترکوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہ رہی تھی کہ "حقیقت" کو تسلیم کر لیں۔ خود عربوں نے یہودیوں سے معاہدے کر کے عملاً یہودی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے۔ ان معاملات میں عرب لیگ کو بالکل بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔

فلسطین کے قائم مقام ثالث رلف بنش اپنا کام ختم کر کے امریکہ چلے گئے ہیں۔ ان کے کام کا چارج اب فلسطینی مصالحتی کمیشن نے سنبھال لیا ہے جو لوزان میں یہودیوں اور عرب حکومتوں سے مستقل معاہدہ امن کی مساعی میں مصروف ہے۔

معاہدہ اوقیانوس

۴ اپریل کو پروگرام کے مطابق یورپ اور امریکہ کے بارہ ممالک نے واشنگٹن میں شمالی اوقیانوس کے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے جس نے کچھ عرصہ سے بین الاقوامی سیاسیات میں ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ دستخط کرنے والے ممالک امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، بلجیم، لکسمبرگ، ناروے، ڈنمارک، اٹلی، پرتگال اور آئس لینڈ ہیں۔ معاہدہ اوقیانوس کی رکن حکومتیں اسے دفاعی معاہدہ کہنے پر مصر ہیں لیکن روس اسے اپنے خلاف ایک جارحانہ کاروائی سمجھتا ہے۔ معاہدہ نے دنیا کو دو مسلح کیمپوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دفاعی ضرورتوں کے پیش نظر سپین کے اس "حق" پر بھی غور کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی معاہدہ میں شریک ہو۔ اب تک ادارۂ اقوام متحدہ نے سپین کا "حقہ پانی بند" رکھا ہے۔ لیکن اب سپین کو یورپی دفاع کے لئے ضروری سمجھتے ہوئے اس سے تجدید عہد کی جا رہی ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اس تجدید عہد کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔

معاہدہ اوقیانوس سے یورپ میں جو خلجان پیدا ہو گیا تھا وہ برلین کی ناکہ بندی اٹھا لینے سے کم ہو گیا ہے۔ لیک سکسیس میں امریکی اور روسی نمائندوں کے مابین مذاکرات کے بعد ۱۲ مئی سے ناکہ بندی اٹھا لی گئی اور اس طرح

ایک ایسی نزاع ختم ہوگئی جو دس مہینوں سے جاری تھی اور جس کے متعلق ایک وقت یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید یہی آئندہ جنگِ عالمگیر کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ ۱۷ اپریل کو صدر ٹرومین نے ارکان کانگریس کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر امریکہ اور دیگر جمہوریتوں کی بہبود کی خاطر ایٹم بم استعمال کرنے کی ضرورت پڑ گئی تو میں ایسا کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ روس برلین میں امریکہ اور برطانیہ کو خوش کرکے کیا نیا قدم اٹھائیگا یہ امر قیاس آرائیوں کا موضوع بن گیا ہے۔

بحرالکاہل کے مسائل

معاہدہ اوقیانوس کے بعد اب اسی قسم کے دفاعی معاہدے بحرالکاہل اور بحیرۂ روم کے متعلق کرنے کی تجاویز بھی زیرِ بحث ہیں۔ ۱۳ اپریل کو ترکی وزیرِ خارجہ نے واشنگٹن میں بحیرۂ روم کے دفاع کے لیے ایک علاقائی معاہدہ کی پرزور اپیل کی۔ بحرالکاہل کے معاہدہ کے متعلق بہت زیادہ امید کا اظہار نہیں کیا جا رہا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ چین قریباً کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں جا چکا ہے۔ اور اس کی واپسی کی کوئی امید نہیں۔ مشرقِ بعید کا واحد صنعتی ملک جاپان ہے جو وسیع پیمانے پر اسلحہ اور سپاہی مہیا کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی دوبارہ اسلحہ بندی بحرالکاہل کے اتحادیوں کو پسند نہیں۔ ہندوستان و پاکستان کے پاس بڑی فوج ہے لیکن ہتھیاروں کی سخت کمی ہے۔ روس کے خلاف موثر محاذ پیش کرنے کیلئے انھیں امریکی امداد کا سہارا لینا ہوگا آسٹریلیا فوجی امداد دے سکتا ہے لیکن شاید وہ کمیونزم کے خلاف ایشیائی اقوام کی مدد کرنے میں پس و پیش کرے۔ بہت سے دوسرے ممالک خانہ جنگی کا شکار ہیں۔ وہ کمیونزم کے خلاف مضبوط بلاک نہیں بنا سکتے۔ درحقیقت ایشیا کو فوجی اتحاد سے زیادہ اس چیز کی ضرورت ہے کہ مشرقِ بعید میں کمیونزم کو روکنے کے لئے افلاس اور اقتصادی بدحالی کے خلاف متحدہ اقدام کیا جائے۔ لہٰذا ایشیا میں فی الحال کمیونزم کے خلاف معاہدہ اغلب نہیں۔

چین میں خانہ جنگی بند ہونے کی جو امیدیں گذشتہ ماہ بندھ چلی تھیں وہ موہوم ثابت ہوئی ہیں۔ وہاں دوبارہ لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ چیانگ کائی شک تین ماہ کی گوشہ نشینی کے بعد پھر میدان میں آگیا ہے۔ اس نے نیشلسٹوں سے جنگ جاری رکھنے کی اپیل کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ تین سال تک کمیونسٹوں پر فتح پالی جائیگی۔ کمیونسٹوں کی یلغار سے چین میں برطانوی مقبوضات کے لئے براہ راست خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ کمیونسٹوں نے چین کے ان علاقوں کے غیرملکی حاکموں سے ہٹ جانے کا مطالبہ کیا ہے۔ برطانیہ نے ہانگ کانگ کے دفاع کیلئے مزید کمک بھیجدی ہے۔ چین میں دوبارہ لڑائی شروع ہوتے ہی برما میں بھی لڑائی تیزتر ہو گئی ہے۔ وزیرِاعظم برما نے وزیرِاعظم پاکستان کی وساطت سے دولتِ مشترکہ سے امداد کی درخواست کی تھی۔ دولتِ مشترکہ نے اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے برطانیہ، ہندوستان، پاکستان اور لنکا پر مشتمل ایک ادارہ قائم کیا ہے جو برما کو امداد دینے کے وسائل پر غور کرے گا۔ اس اقدام کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ کمیونزم کو روکنے کے لئے جنوبی ایشیا کے کسی اجتماعی اقدام سے پیشتر جنوب مشرقی ایشیا میں امن و امان کی بحالی ضروری ہے۔ دولتِ مشترکہ کی کانفرنس منعقدہ لنڈن میں کمیونزم کی روک تھام کیلئے بہانے کے متعلق تو بحث کی گئی لیکن ہندوستان و پاکستان کی نزاعِ کشمیر کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا گیا۔

پاکستان نے اس نزاع کو حل کرنے بغیر برپا کی امداد پر کیسے آمادگی کا اظہار کر لیا، اس کا جواب وزیرِ اعظم پاکستان ہی دے سکتے ہیں۔

ویٹ نام میں شہنشاہ باؤدائی واپس آ چکا ہے۔ وہ ویٹ نام کی تحریکِ حریت، ویٹ من کے ساتھ مخلوط حکومت بنانا چاہتا ہے لیکن ویٹ من نے باؤدائی کو غدارِ قوم قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تحریکِ حریت تیز تر کر دی گئی ہے۔ ویٹ نام جمہوریہ کی تیسری سالگرہ پر تحریکِ حریت کے قائد ہوچی من نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ ویٹ نام کا ۹۵ فیصدی علاقہ جس کی آبادی دو کروڑ ہے ان کے پاس ہے اور فرانسیسیوں کے پاس صرف پانچ فیصدی علاقہ ہے جس کی آبادی بیس لاکھ ہے۔

دولتِ مشترکہ کی کانفرنس

چین کے خاتمہ کے بعد امریکہ و برطانیہ اپنی توجہات ہندوستان پر مرکوز کر رہے ہیں۔ دونوں کی خواہش اور کوشش ہے کہ ایشیا کی قیادت ہندوستان کے حوالے کر دی جائے۔ دونوں ملکوں سے اس قسم کی آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ کمیونزم کے خطرہ کو روکنے کیلئے ہندوستان کی حیثیت صفِ اول (Front Line) کی ہے اور ایشیا کے تحفظ کی خاطر اس کا استحکام ضروری ہے۔ ہندوستان خود بھی اپنی اس قابلِ رشک حیثیت سے غافل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے مستقبل کے بارے میں اس نے شدت سے سودا بازی کی ہے۔ دولتِ مشترکہ کی جو کانفرنس اپریل کے اواخر میں لندن میں منعقد ہوئی اس میں ہندوستان کے آزاد جمہوریہ کے درجہ اور دولتِ مشترکہ کی رکنیت میں تطابق پیدا کرنے کے لئے فارمولا تلاش کر لیا گیا، حالانکہ دولتِ مشترکہ کے بیشتر مدبرین اس تطابق کو دولتِ مشترکہ کے بنیادی اصول کی شکست سمجھتے تھے۔ لیکن ایسے مدبرین کی بھی کمی نہ تھی جو دونوں متضاد صورتوں میں مفاہمت ممکن ہی نہیں ضروری بھی سمجھتے تھے۔ وزرائے اعظم کی اس کانفرنس میں (جو ۲۱ سے ۲۷ اپریل تک ہوتی رہی) اس فیصلہ پر اتفاق کر لیا گیا کہ ہندوستان آزاد جمہوریہ بن جانے کے بعد بھی دولتِ مشترکہ کا مکمل اور مساوی رکن رہے گا۔ ہندوستان شاہِ انگلستان کو رکن حکومتوں میں آزادانہ وابستگی کی علامت سمجھے گا اور بادشاہ سے وفاداری کا اظہار نہیں کرے گا۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے رکن ممالک کو اپنے عہدِ وفاداری کی تجدید کرنی ہوگی اور انہیں جمہوریہ ہندوستان کا درجہ بھی تسلیم کرنا ہوگا۔

اس کانفرنس میں ہندوستان کو جو خصوصی اہمیت دی گئی اور پاکستان کو جس طرح ایک "بے شرط" سمجھا گیا اس پر وزیرِ اعظم پاکستان بھی مضطرب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ انہوں نے ۲۹ اپریل کو اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس میں بیرونی دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ پاکستانی مٹی کے پتلے نہیں، گوشت پوست سے بنے ہوئے جیتے جاگتے انسان ہیں اور ان کی رگوں میں برا گرم خون رواں ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

> برطانیہ میں مجھے عام طور پر یہ رجحان دیکھ کر دکھ ہوا کہ پاکستان کو ایک "بے شرط شے" سمجھا جاتا ہے۔
>
> اگر برطانیہ یا دولتِ مشترکہ کا کوئی اور رکن اس فریب میں مبتلا ہے تو یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔

پاکستان دولتِ مشترکہ کے نظریات کی سربلندی کی خاطر اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے
لیکن ایک حاشیہ بردار کی حیثیت سے نہیں۔

جناب لیاقت علی خاں نے انگریزوں کے جس رجحان کا ذکر کیا ہے اس کا ایک اور مظاہرہ یوں کیا گیا کہ ان کی اس پریس کانفرنس کی پوری رپورٹ صرف ایک (توری) اخبار ڈیلی ٹیلیگراف نے دی۔ لیبر پارٹی کے سرکاری نقیب ڈیلی ہیرلڈ نے کانفرنس کے متعلق سب سے "اہم" بات یہ بتائی کہ وزیرِ اعظم پاکستان نے ڈیلی ہیرلڈ کے نمائندہ سے کہا کہ "میرے ملک کے لئے قومی ترانہ حاصل کرنے میں میری مدد کرو"۔ لندن کے موقر اخبار ٹائمز نے اندر کے صفحے پر مختصری خبر دی باقی اخبارات نے اتنی خبر بھی شائع نہ کی کہ کوئی اس قسم کی پریس کانفرنس ہوئی ہے۔ وزیرِ اعظم پاکستان نے پاکستانیوں کو مٹی کے مادھو سمجھنے کے خلاف احتجاج تو کیا ہے لیکن کیا ایسے تاثرات قائم کرنے کے ذمہ دار خود ہم نہیں۔

ہندوستان کے سوشلسٹ جیا پرکاش اور سرت بوس کے ہم خیال ہندوستانی وزیرِ اعظم ہندوستان کے فیصلہ پر سخت برہم ہیں۔ ۱۷ مئی کو جب پارلیمان کا اجلاس اس فیصلہ کی توثیق کے لئے منعقد ہوا تو ایوان کے سامنے سوشلسٹوں نے مخالفانہ مظاہرے کئے۔ برطانیہ کی بے اعتنائی اور پاکستان کی خارجی پالیسی کے جمود نے پاکستان میں بھی ہیجان برپا کر رکھا ہے۔ مختلف اطراف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ پاکستان کو اپنی خارجی پالیسی آزادانہ متعین کرنی چاہئے اور دوستوں کے حلقے کو بلاوجہ محدود نہیں کرنا چاہئے۔

ہندوستان کی ہوسِ ملک گیری

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے، ہندوستان اپنی اس حیثیت سے باخبر ہے کہ اب ایشیا کی قیادت کے لئے اسے منتخب کیا جا رہا ہے۔ وہ ہوسِ قیادت کا شکار ہے۔ ہندوستان میں جو چھپے کانٹے رہ گئے تھے انھیں کھینچا جا رہا ہے۔ ریاستہائے بھوپال اور رامپور کی انفرادیت ختم کر دی گئی ہے۔ ہندوستان کی نظریں اب برما اور لنکا پر ہیں۔ وہ ان دونوں کو اپنا جزو سمجھتا ہے چنانچہ انڈین کانگرس کے صدر ڈاکٹر سیتا رامیہ سے جواب میں ۳۰ اپریل کو لنکا کے ایوان نمائندگان کے لیڈر، سینانایکے، کو کہنا پڑا:

> ڈاکٹر سیتا رامیہ لنکا کو زیادہ سے زیادہ ہندوستان کے ایک صوبے کا درجہ دینے کو تیار ہیں جو اندرونی لحاظ سے آزاد ہو لیکن جس کے دفاع، مواصلات اور امورِ خارجہ حکومتِ ہند کے ماتحت ہوں ... لنکا کے جن باشندوں نے اتنی جدوجہد کے بعد آزادی حاصل کی ہے وہ اس قسم کا سیاسی تغلب قبول نہیں کریں گے جو ڈاکٹر سیتا رامیہ کے ذہن میں ہے۔

ہندوستان کو یہ تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ وہ لنکا کا تعاون صرف دوستانہ طریق پر ہی حاصل کر سکے گا۔

اٹلی کی سابق نوآبادیات

روس اور امریکہ دونوں کی نگاہیں بحیرۂ روم پر ہیں۔ روس کی انتہائی کوشش ہے کہ وہ اس اینگلو امریکی شاہراہ تک پہنچے۔ وہ اب تک ناکام رہا۔ ترکی پر اس کا

دباؤ، بلقانی ممالک بالخصوص یونان میں خانہ جنگی، فلسطین کا المیہ سب اسی نکتہ کی تفسیریں ہیں۔ اپنی حیثیت بحیرہ روم میں مستحکم کرنے کے لئے امریکہ اور انگلستان نے اٹلی کو اوقیانوسی معاہدہ میں شامل کر لیا، حالانکہ اٹلی اوقیانوسی ملک نہیں۔ ترکی وزیر خارجہ کے الفاظ میں :

ترکی کو اس (معاہدہ) میں اس لئے شریک نہیں کیا گیا کہ شمالی اوقیانوس سے ترکی کا کوئی تعلق نہیں، لیکن اٹلی کی شمولیت کا جواز پیش کیا جا رہا ہے۔

اب امریکہ اور برطانیہ اٹلی کی اس شمولیت کا صلہ دے رہے ہیں۔ اٹلی کے سابقہ مقبوضات کا قضیہ آج تک فیصل نہیں ہو سکا تھا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بالآخر یہ مسئلہ پیش ہوا۔ امریکہ اور برطانیہ شمالی افریقہ کے مقبوضات اٹلی کو بطور تحفہ پیش کر رہے ہیں۔ اس تحفہ کی علت یہ ہے کہ اس طرح شمالی افریقہ کا ساحل ان کے قبضہ اور اقتدار میں رہے گا۔ روس کا مطالبہ یہ ہے کہ ان علاقوں کو اقوام متحدہ کی تولیت میں دے دیا جائے۔ اس کا یہ مطالبہ مقامی آبادی کے ساتھ ہمدردی کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ روم کے جنوبی ساحل کو امریکہ۔ برطانیہ کے قبضہ میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ امریکہ۔ برطانیہ کی کوشش یہ بھی ہے کہ لیبیا کو تین حصوں، سائرانیکا، ٹریپولیٹیا اور فیضان میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ اہل لیبیا کا متحدہ محاذ نہ قائم ہو سکے۔ پاکستان کے وزیر خارجہ نے جنرل اسمبلی میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں :

(۱) لیبیا کی وحدت کو برقرار رکھا جائے اور اقوام متحدہ کی پانچ سال کی تولیت کے بعد اسے آزادی دیدی جائے۔

(۲) سمالی لینڈ کو دس سال کی تولیت (اقوام متحدہ) کے بعد آزاد کر دیا جائے۔

اقوام متحدہ ان علاقوں کے لئے جو انتظامی ہیئت قائم کرے اس کے لئے ایک مجلس مشاورت ہو جو برطانیہ، روس، امریکہ، فرانس، اٹلی، مصر اور مشرق ادنیٰ کے ایک ملک پر مشتمل ہو۔

لیبیا اور دیگر سابق اطالوی مقبوضات کے باشندوں میں اطالیہ کے خلاف نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور وہ قطعاً تیار نہیں کہ اطالوی استبداد پھر ان پر مسلط ہو جائے۔ اپنی قسمت کے اس سودے کے خلاف انہوں نے مسلح مظاہرے کئے جنہیں دبانے کے لئے برطانوی آتشیں اسلحہ استعمال کئے گئے۔

بیون وزیر خارجہ برطانیہ اور سفارزا وزیر خارجہ اطالیہ نے ایک نجی ملاقات میں ایک معاہدہ طے کیا جس کی رو سے طے پایا کہ ٹریپولیٹیا کو سنہ ۱۹۵۱ء میں اطالوی تولیت میں منتقل کر دیا جائے۔ جنرل اسمبلی میں برطانوی نمائندے نے اس معاہدہ کی تصدیق بھی کر دی۔ لیکن جنرل اسمبلی نے اسے مسترد کر دیا اور ٹریپولیٹیا کو اطالوی تولیت میں دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن ان علاقوں کی فوری آزادی کو بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔

انڈونیشیا ولندیزی اور انڈونیشی نمائندوں میں اقوام متحدہ کے کمیشن کے زیر اہتمام جو مذاکرات ایک ماہ تک ہوتے رہے ان میں مجلس تحفظ کے ۲۳ مارچ والے ہدایت نامہ کے اہم نقاط یہ رہی کو

ابتدائی سمجھوتہ کا اعلان کیا گیا۔ اس ہدایت نامہ کے مطابق کمیشن کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ فریقین کو ان دو اہم نقاط پر رضامند کرنے کی کوشش کرے۔ (۱) جوگجکرتا میں جمہوری حکومت کی بحالی اور (۲) آزاد انڈونیشی وفاق کے قیام کے سلسلہ میں ہیگ میں فریقین کی گول میز کانفرنس کا انعقاد۔ اس ابتدائی معاہدہ میں فوجی کارروائی کی بندش اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کی شرائط بھی شامل ہیں جو ولندیزیوں کے پاس ہیں۔ ہالینڈ کی پُرغرور گردن میں یہ استرخا کسی بین الاقوامی ضابطہ کی پابندی یا انڈونیشیوں کے فطری حق کی تسلیم کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ یہ انڈونیشیوں کے اس جذبۂ حریت کی فتح ہے جو ولندیزیوں کی سیاہ کاریوں اور دولِ عظمیٰ کی پردہ پوشیوں کے علی الرغم دب نہیں سکا۔ ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ اس سمجھوتہ کو عملی شکل دیتے وقت ولندیزی پاسِ عہد کا کیا ثبوت دیتے ہیں اور جوگجکرتا میں جمہوری حکومت کو وہ کس حد تک بااختیار رہنا گوارا کریں گے۔

فردوسِ گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے ہزاروں نوجوانوں کے دلوں سے شکوک و شبہات کے کانٹے نکال کر انہیں وہ اطمینان عطا کر دیا جو صرف یقین اور بصیرت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ آنے والا مورخ جب ہمارے زمانہ کی تاریخ لکھے گا تو وہ اس انقلاب کا صحیح اندازہ لگا سکے گا جو جناب پرویز کے حقیقت نگار قلم نے دلوں کی بستیوں میں پیدا کر دیا ہے۔ یہ تمام مضامین ایک خوش رنگ مجموعہ کی شکل میں اشاعت کے لئے پریس میں جا چکے ہیں۔ کتاب قریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہوگی۔ کتاب کی مانگ اس قدر زیادہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دیر میں طلب کرنے پر مل نہ سکے۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ ایک اطلاعی کارڈ لکھ کر اپنے لئے ایک جلد مخصوص کرالیں۔ قیمت کی اطلاع کتاب تیار ہونے پر دی جائیگی۔

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام۔ رابسن روڈ۔ کراچی

لیڈیز پریڈ کی تصویر دیکھ کر

(ایک فرمائش کے جواب میں)

انشراللہ ملتِ بیضا کی قسمت کا عروج
دخترانِ قوم نکلی ہیں قطار اندر قطار

چاند سے چہرے پہ بکھرائے ہوئے زلفِ سیاہ
ہر پری پیکر ہے رفتار آزما مستانہ وار

نکہتِ آرائشِ حسنِ نظر افروز سے
ہے فضا کا ذرہ ذرہ عطر بیز و مشک بار

حسن کی بادِ بہاری سے دلِ عشاق میں
شاخِ نخلِ آرزو لانے کو ہے پھر برگ و بار

آرہی ہے پیرِ گردوں کی ثریا سے صدا
ایسے نظاروں پہ میرے ماہ و انجم ہوں نثار

قوم کی بیدار بختی پر سبھی مسرور ہیں
ہے اگر کوئی تو بس اک شیخ جی ہیں سوگوار

درد کی تصویر بن کر کہہ رہے تھے مجھ سے کل
*کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار!

بے حجابی کا تھا اب تک نزدِ یارانِ وطن
صحت و تعلیمِ نسواں کی دلیلوں پر مدار

رخ زمانے نے بدل ڈالا ہے استدلال کا
فکرِ انساں ہے اسیرِ گردشِ لیل و نہار

جو کبھی تھا صحت و تعلیم کی خاطر وہ اب
ہو رہا ہے بہرِ تحصیلِ فنونِ کارزار

اس سے پہلے تھا جو مقصود مگر وہ اب بھی ہے
ہاں بدل ڈالا ہے یاروں نے مگر اندازِ کار

حسن کی جلوہ فروشی کے یہ حیلے ہیں تمام
ایک جوہر ہے مگر اغراض اس کے بے شمار

دیکھ لیں کر کے مسلماں جو بھی ان کے جی میں آئے
ایسی باتیں ہیں جہاں میں بے سواد و کم عیار

لاکھ منکر ہوں مگر میں جانتا ہوں بالیقیں
یہ حقیقت ان پہ ہو جائیگی اک دن آشکار

باعثِ ذلت ہے اپنا راہِ حق سے انحراف
حفظِ آئینِ پیمبر سے ہے ملت کا وقار

(الطاف حسین بخاری)

---

* مزاجِ روزگار کی اس تبدیلی کا اندازہ، لسان العصر حضرت اکبر مرحوم نے بہت پہلے لگا لیا تھا جب انھوں نے فرمایا تھا کہ

نیست شیرے کہ دریں بیشہ شکارے بکند
تیغ گیرد بکف و فتح دیارے بکند

اہلِ زماں ہمتِ مرداں بہ ہمیں محدود است
زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

طلوع اسلام